خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ
مارچ 2019

افشین نعیم

Digest Novels Lovers Group ❤❤

زندگی اک پہیلی

لکڑی کا بڑا سا پھاٹک نما دروازہ، جس کا رنگ بھی کبھی کا حوادث زمانہ کی نذر ہوا۔ چرر کی ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

دروازہ دھکیل کر کھولنے کے بعد نو وارد نے اپنا نسواری رنگ کا گول ہیٹ اتار کر اپنی بھوری آنکھیں سکیڑ کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔

ایک ہاتھ لمبے سے کالے رنگ کے کوٹ کی جیب میں ڈالے دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی ہیٹ کے اندر ڈالے اسے زور زور سے گھمانے کی کوشش کرتے اس نوجوان کو گل رخشندہ نے کچھ حیران اور زیادہ پریشان ہو کر دیکھا۔

وہ حیران، اس کے بلا اجازت گھر کے اندر یوں دندناتے چلے آنے پر تھی اور پریشان اس کے انداز پر۔

"کیا یہ ہیٹ کے اندر سے انڈا برآمد کرنے والا ہے......

مکمل ناول

Digest Novels Lovers Group ❤❤

وقار
عظیم
Saba

digest library.com♥♥

یا پھر اس کے اندر سے ابھی چڑیا نکلے گی اور پھر کر کے اڑ جائے گی۔"

سوچ کی پرواز محض یہیں تک پہنچی تھی کہ نو وارد نے اچانک پلٹ کر اس کی چوری پکڑی تھی گویا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے کسی شریف آدمی کی پشت کو گھورنے کا؟" آنے والے نے بغیر تعارف کی رسم نبھائے، گل رخشندہ کو سر تا پا گھورتے ہوئے حملہ کیا۔

وہ گل رخشندہ تھی، جوابی حملے کے لیے بلا تخصیص مرد و زن ہمہ وقت تیار۔

"کہاں ہے وہ شریف آدمی (شریف آدمی پر بطور خاص زور دیا) جس کی پشت کو گھورا جا رہا ہے۔"

ایک ہاتھ کمر پر ٹکائے دوسرا ہاتھ نچاتے ہوئے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

"میں...... بذات خود۔" (اب کے کوٹ کی جیب سے ہاتھ نکال کر اپنے سینے پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا)۔ آنکھوں میں کچھ شناسائی کے رنگ چھلکتے نظر آئے۔

"ہمارے یہاں (انگلی گھما کر اپنی طرف کی) بغیر اجازت کسی کے گھر میں گھسنے والے کو شریف آدمی ہرگز نہیں کہا جاتا۔ ایسے شخص کو ہم چور، اچکا کہتے ہیں۔" برہم انداز میں کہتے گل رخشندہ نے اپنے پیچھے پھاٹک کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سنی۔

قدموں کی چاپ نے اسے بتایا کہ آنے والے سیف چاچا ہیں۔

"سیف چاچا! آپ بغیر بتائے دروازہ کھلا چھوڑ کر باہر چلے جاتے ہیں کہ کوئی بھی ایرا غیرا نتھو خیرا منہ اٹھائے گھر کے اندر گھس آئے۔"

ایرا غیرا...... نتھو خیرا......" روحان قریشی نے بے یقینی سے الفاظ دہرائے۔ "مطلب کہ واقعی...... ان الفاظ میں مجھے پکارا گیا ہے۔ اف!" صدمہ شدید ہوا۔

"ارے نہیں بیٹا! یہ کوئی ایرا غیرا نہیں ہے۔"

سیف چاچا کہتے ہوئے گل رخشندہ کے برابر، روحان قریشی سے دو چار قدم پیچھے آ کر ٹھہر گئے۔

"یہ روحان میاں ہیں۔"

سیف چاچا نے بڑا سا جہازی سائز سوٹ کیس، اپنی ٹانگوں کے سہارے کھڑا کرتے ہوئے۔ گویا اس کی عقل پر ماتم کیا کہ اتنی جلدی بھول گئیں۔

"چھوڑیں بھی سیف چاچا! بعض لوگوں کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے اور عقل موٹی۔ ایسے لوگوں کی دماغی جھلیوں پر چربی چڑھ جاتی ہے جو ان کی سوچنے، سمجھنے کی قوت مفلوج کر دیتی ہے۔ صرف بولنے کی طاقت رہ جاتی ہے، ایسے لوگوں کے پاس۔"

کہہ کر بیٹ سر پر ٹکایا، ہاتھ جھاڑتے ہوئے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔ (ایک دم سکون سا اتر گیا تھا دل میں، حساب برابر کر کے)۔

اور رخشی...... اف...... اس کے تو تلوؤں سے لگی، سر پر بجھی تھی جا کر۔

"سیف چاچا!" رخشی کی آواز اندر کی طرف قدم بڑھاتے روحان اور چاچا نے دونوں نے سنی۔ رکے صرف سیف چاچا۔

"جی بٹیا!"

"اس موٹے لڈو سے کہیے، اپنی اوقات میں رہے۔ میرے منہ لگنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔"

"لڈو...... ماشاء اللہ، سبحان اللہ کس برق رفتاری سے یادداشت واپس آئی ہے۔" روحان سر دھنتے، پیروں میں آتے پتوں کو روندتا چلا گیا۔

سیف چاچا! میرا پیغام بھی پہنچا دیجیے، آئندہ مجھے ایرا غیرا، نتھو خیرا ہرگز نہ کہا جائے۔

ہاں لڈو کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

بڑے سے لال اینٹوں والے فرش کو عبور کرتے، ستون کے برابر پہنچ کر، پلٹ کر سیف چاچا کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے سرخ قندھاری اناری لڑکی کو دھیان سے دیکھا جو اسے دیکھتا پا کر، نظروں کا زاویہ بدل گئی تھی۔

سورج کی سنہری کرنیں، اس کے آدھے چہرے پر اپنا عکس روشن کیے، عجیب تفاخر سے جھلملا رہی تھیں۔

دس سال پہلے کا ایک لمحہ دونوں کے درمیان آ ٹھہرا تھا۔ بس ایک پل کو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگی۔

جانے سفر تمام ہوا تھا یا شروع
کچھ باتیں طے ہونا باقی تھیں

☆☆☆

مسرت جہاں، دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

''سارے کا سارا پیسہ ڈوب گیا، اب ہوگا کیا؟''

''میں کیا کرتا اماں؟ کوئی بچہ یہاں سے بلہ بول رہا تھا، کوئی وہاں سے۔ پھر تو مانو لوٹ ہی پڑ گئی۔ جس کے ہاتھ جو آیا وہ اٹھا کر لے گیا۔ بچوں کی دیکھا دیکھی، بڑے بھی آ گئے۔ انہوں نے بھی خوب حصہ ڈالا اس لوٹ مار میں۔

رش بڑھتا گیا اور میری ہائے ہائے تو لوگوں کی آوازوں میں کہیں ایسے گم ہوئی جیسے گاجر کے حلوے میں کھویا گم ہو جاتا ہے۔

بے چارہ بٹن، انتہائی دکھ کے عالم میں اپنی بے چارگی کی داستان سنا رہا تھا۔

''ارے میرا بچہ، مجھے بتا، اب بنے گا کیا؟ ایسے کیسے کام چلے گا۔'' مسرت جہاں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زندگی کس ڈھب گزرے گی اب۔

''اماں! یقین مانو، میرا دل کر رہا تھا میں گلے میں پھندا ڈال کر کسی ٹرین کے نیچے لیٹ جاؤں۔'' بٹن کی آواز رندھ گئی یہ کہتے۔

''ناں، ناں میرا لاڈلا شہزادہ ہائے ایسے نہیں کہنا۔ ماں صدقے جائے، ماں واری جائے اپنے بچے پر۔''

مسرت جہاں کا تو مانو دل ہی چیر دیا، بٹن نے ایسی بات کر کے۔ انو بھاگ کر بھائی کے لیے پانی کا گلاس بھر کر لے آئی۔ ہاں منو کے حلق سے بھائی کی بات نیچے نہیں اتری۔

''بٹن بھیا! یہ ٹرین کے نیچے لیٹنے کے لیے گلے میں پھندا ڈالنا تو بالکل بھی ضروری نہیں ہے۔ گلے میں پھندا ڈال کر تو پنکھے سے لٹکنا ہوتا ہے اور ٹرین بے چاری کا تو اس میں ذرہ برابر عمل دخل نہیں ہے۔''

دماغ میں آئی بات کا اس نے فوراً بھائی کے سامنے اظہار بھی کر دیا۔

بٹن سے فوراً تو کچھ بن نہیں پڑا۔ سو ادھر اُدھر دیکھ کر سر کھجانا شروع کر دیا۔

ایسے میں ماں ہی پھر میدان میں آئی۔

''منو! میری گڑیا! پہلے ہی میں کچھ کم پریشان ہوں جو تم نے یہ پھندے اور ٹرین کی باتیں شروع کر دی ہیں۔ بس جو ہونا تھا، ہو گیا۔ اب آگے کی سوچو۔''

مسرت جہاں نے تینوں بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اماں! ٹرین اور پھندے کی بات تو بھیا نے کی، میں تو صرف وضاحت کر رہی تھی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ ''ویسے بھی پہلی بار تو ہوا نہیں ہے یہ سب، کوئی تیسری یا شاید......'' اس نے دماغ پر زور

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت - /400 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

digest library.com

دیا۔ ''چوتھی بار ایسا ہو رہا ہے۔''
''تیسری...... تیسری بار......'' بٹن نے جلدی سے وضاحت کی۔ مبادا اماں کے ذہن میں کہیں چوتھی بار ہی نہ بیٹھ جائے۔
''ارے بھیا! دنیا جلتی ہے مجھ سے اور میرے بچوں سے۔ دنیا کی نظر کھا گئی ہمیں تو۔'' ان کی آواز کبھی بلند ہوتی، کبھی آہستہ۔
''مجھے تو پورا یقین ہے، حاسدوں نے تعویذ کروا رکھے ہیں۔ ہماری خوشیاں تو ''ان'' دل کے کالے لوگوں سے ہضم ہی نہیں ہوتیں۔''
(اب جانے ان کا اشارہ محض خاندان والوں کی طرف تھا یا کُل عالم ہی ان کا دشمن تھا)۔
بٹن سر جھکائے، انو سر اٹھائے اور منو ناخنوں سے کھیلتی ماں کی دہائیاں سن رہی تھی۔
''اماں! ہمارے دشمن صرف دل کے کالے نہیں ہیں، شکل کے بھی کالے ہی ہیں۔'' منو ذومعنی انداز میں بولی۔
اس کی بات پر بٹن نے پہلو بدلا۔
''ہاں، اور نہیں تو کیا۔ دوسروں پر بربادی لائیں گے تو شکل بھی کالی ہی ہوگی نا دل کی طرح۔'' مسرت جہاں نے بغیر بات کی گہرائی میں جائے، منو کی ہاں میں ہاں ملائی۔
بڑی دیر کے بعد کہیں جا کر یہ محفل برخاست ہو پائی۔
مسرت جہاں، رو پیٹ کر، تھک ہار کر آخر آرام کرنے چلی گئیں۔ انو کچھ پیٹ پوجا کرنے باورچی خانے سدھاری۔
پیچھے رہ گئے بٹن اور منو۔
''بٹ ٹن...... بھیا!'' منو نے بڑے دلار سے بھائی کو پکارا۔
بٹن کو تو پہلے ہی سے کچھ کھٹک رہا تھا۔ اس نے فوراً چپل پاؤں میں اڑسی۔ قبل اس کے کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتا، منو نے آگے بڑھ کر ہتھیلی پھیلائی۔
''میرا حصہ؟'' کہہ کر دو تین بار زور زور سے پلکیں میچیں۔
''کیسا حصہ؟'' بٹن نے بوکھلا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ مبادا کوئی سن ہی نہ رہا ہو۔
''زبان بند رکھنے کا حصہ۔ مطلب زبان بند رکھنے کی قیمت۔'' اس نے مزید وضاحت کی۔
''دیکھو منو! مجھے نہیں پتا تو کیا کہہ رہی ہے۔'' وہ نظر چراتے ہوئے بولا۔ ''سامنے سے ہٹ، مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔''
''میں سمجھاتی ہوں نا بھیا۔'' اس کے تیور بدلے۔ ''اگر اماں کو یہ پتا چل گیا کہ ان کے ہونہار سپوت نے کھلونوں کا ٹھیلا بیچ کر، ان کے دشمنوں کی اولاد کو شادی میں جانے کے سلسلے میں پیسے دیے ہیں تو سوچو، ان کے دل پر کیا گزرے گی......؟'' بات مکمل کر کے اس نے دھیان سے بھائی کے چہرے کو دیکھا، جس پر ایک رنگ آ رہا تھا، دوسرا جا رہا تھا۔
(ہوں، تو میرا اندازہ ٹھیک نکلا، بھیا نے واقعی پیسے اس کالی ماتا کو دے دیے ہیں)۔
اس کا اندھیرے میں چلایا گیا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔
''دیکھ منو! وہ بے چاری بہت پریشان تھی۔ ادھار لیے ہیں روپے، جلد ہی لوٹا دے گی۔'' بٹن کھکھیایا۔
''میں بھی بہت پریشان ہوں بھیا! بس پانچ ہزار دے دو اور سمجھ لو کہ تمہارا راز ایک اندھے کنویں میں دفن ہوا۔'' اس نے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔
''پانچ ہزار......'' بٹن ایک دم بدکا۔ ''اتنے روپے نہیں ہیں میرے پاس۔ بس زیادہ سے زیادہ دو ہزار دے سکتا ہوں۔''
''تین ہزار سے ایک روپیہ کم نہیں۔'' اس نے تین انگلیاں اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائیں۔
بٹن نے جیب سے ہزار ہزار کے دو اور پانچ سو کا ایک نوٹ نکالا۔
''یہ لے، تیرا کام بنتا ہے تو ٹھیک، نہیں تو

digest library.com

بتادے اماں کو جو کچھ بھی بتانا ہے۔"
اس نے نوٹ منو کے سامنے لہرائے، جنہیں منو نے جھپٹ کر پکڑ لیا۔
"جاؤ بھیا! کیا یاد کرو گے تم بھی، کس سخی سے پالا پڑا ہے۔"
اور مک مکا ہوجانے پر بٹن نے خدا کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

"ماسٹر جی! آپ کا بھی جواب نہیں۔ کمروں کی دیواریں سجالیں، چھت پر نقش و نگار بنوالیے اور تو اور باتھ رومز میں ٹائلیں تک لگوالیں، پر پھاٹک...... آج بھی پھاٹک ہی ہے۔ اسے گیٹ کا درجہ نہ مل سکا۔"
روحان ہنستے ہوئے ان سے مخاطب تھا۔
"اور صحن کی حالت نہیں دیکھی آپ نے؟" سیف چاچا جانے کہاں سے بوتل کے جن کی مانند حاضر ہوئے تھے۔ بہت دن بعد کوئی سامع ملا تھا انہیں، سو دکھڑے رونے کے لیے اس سے بہتر وقت میسر نہیں آسکتا تھا۔
"لاکھ کہا ان سے، صحن کی اینٹیں اکھیڑ کر نئے زمانے کا فرش ڈلوالیتے ہیں، پر نہ جی۔ وہ ماسٹر جی ہی کیا، جو کسی کی بات سن لیں۔" سیف چاچا سخت ناخوش دکھتے تھے۔
اور ماسٹر جی یوں بے نیاز بیٹھے تھے جیسے یہ گفتگو ان کے نہیں، کسی اور کے بارے میں کی جارہی ہو۔
"ارے بیٹا! کام شروع تو اسی نیت سے کروایا تھا کہ سارا گھر ہی ٹھیک ٹھاک کروالیں ایک ہی بار۔ لیکن بس......" انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑا۔
"میں بس کے بعد والی لائن سننے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔" روحان نے نظریں ان کے چہرے پر گاڑیں۔
"اور میں باقی کا گھر ٹھیک کروانا اور گیٹ کو تبدیل کروانے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔" سیف چاچا ہنوز ناراضی سے گویا ہوئے۔
"اور میں اس وقت صرف چائے پینے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔" ماسٹر صاحب نے روحان کا سوال اور سیف چاچا کی ناراضی دونوں ہی یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
"ایک کپ چائے فالتو بنالیجیے گا اور ہاں چینی ذرا کم رکھیے گا۔ دودھ پتی ہو تو زیادہ بہتر ہے۔" سیف چاچا نے بغیر کسی کو مخاطب کیے اعلان کرنے کے سے انداز میں کہا۔
ماسٹر صاحب اور روحان دونوں ہی نے حیران ہوکر سیف چاچا کا اعلان ملاحظہ فرمایا۔
"مطلب، چائے بنانے کی بھاری ذمہ داری، آپ نے ماسٹر جی کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی ہے چاچا؟ اور ڈالی بھی ابھی ابھی ہے۔ کیوں کہ صبح تک تو ہم نے جناب سیف الدین پراچہ صاحب کے ہاتھ ہی کی چائے پی ہے۔" ماسٹر صاحب کا انداز کچھ طنزیہ ہوا۔
"دیکھو ایک نواز بٹ! (سیف چاچا نے انگلی اٹھا کر وارننگ دینے والے انداز میں ماسٹر صاحب کو گھورا) ہم تم سے بات نہیں کر رہے، لہٰذا خاموش رہو تم۔ ہم اپنے بچے سے مخاطب ہیں۔" روئے سخن، روحان کی جانب کیا۔
"اتنی شدید ناراضی سیف چاچا؟"
روحان جانتا تھا۔ سیف چاچا، ماسٹر جی کا پورا نام سخت ناراضی کے عالم میں لیتے تھے۔
"روحان میاں! آپ چھوڑ دیجیے، یہ ہمارے آپسی مسائل ہیں۔ آپ بس اچھی سی دودھ پتی بنالیجیے دو کپ۔" سیف چاچا کا سارا زور دودھ پتی پر تھا۔
"سیف چاچا! کچھ تو لحاظ کریں، مہمان ہوں۔ ابھی آئے پورے دو گھنٹے بھی نہیں گزرے اور آپ نے چائے کی فرمائش بھی کرڈالی۔" روحان تڑپ کر بولا۔
"آپ کو خود خیال ہونا چاہیے روحان میاں! دو گھنٹے ہونے کو آرہے ہیں آپ کو یہاں آئے۔ چار سال سے ترس رہے ہیں، آپ کے ہاتھ کی چائے

digest library.com

کو۔ آپ کو تو آتے ہی باورچی خانے میں گھس جانا چاہیے تھا۔ زبردست قسم کی دودھ پتی بنا کر پیش کرنی چاہیے تھی، نہ کہ یہ کہ ہمیں خود فرمائش کرنی پڑے۔''

''اوہ، اچھا۔ تو ایسا ہے۔'' روحان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''ویسے سیف چاچا! یہ دو کپ کا کیا حساب ہے؟ ہم میں سے کون چائے نہیں پیے گا۔'' روحان نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''آپ......'' سیف چاچا لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر بولے۔

''میں کیوں؟'' اس نے ابرو چڑھائی۔

''ترس تو ہم رہے ہیں نا آپ کے ہاتھ کی چائے کو۔ آپ تو اپنے ساتھ ہی تھے نا۔ بنا کر پی ہی لیتے ہوں گے۔ ویسے، اگر پینا چاہیں تو بنا لیجیے اپنے لیے بھی۔'' انہوں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

''جی، بہت بہتر۔'' روحان کچن کی سمت بڑھا۔

''بہت ہی غلط بات ہے سیف الدین! اتنا لمبا سفر کر کے وہ آ رہا ہے۔ ایک دن کا تو لحاظ کر لیتے تم۔'' روحان نے اپنے پیچھے ماسٹر جی کی آواز سنی۔

''تو پھر کیا، آپ کے ہاتھ کی بدذائقہ چائے پلواتے بچے کو؟'' سیف چاچا نے دوبدو جواب کم سوال کیا۔

''نہیں، تمہارے ہاتھ کی بدذائقہ۔ جو ساری زندگی سے پیتے آ رہے ہیں۔'' ماسٹر جی کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر اس نے سنی۔

اس کے لبوں نے مسکراہٹ کو چھوا۔

کچن میں بھی واضح تبدیلی آ چکی تھی۔ نئی کیبنٹس، نئے ٹائلز، کیلفس، سنک۔ سب ہی کچھ نیا تھا، ہاں وہ کھڑکی وہی پرانی تھی۔

ایک خوش گوار سا احساس ہوا اسے، یہ کھڑکی اسے دس سال پیچھے لے گئی۔

وہیں پر جہاں سے آغاز ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ ابا کے ساتھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سولہ سال کا روحان قریشی، جس کی مسیں ابھی بھیگنا شروع ہوئی تھیں۔ وہ ماسٹر جی اور ابا کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بالکل لاتعلق بنا بیٹھا، یہاں سے بھاگنے کے منصوبوں پر غور کر رہا تھا۔

اسے وہ نہیں کرنا تھا، جو ابا چاہتے تھے، جو اماں چاہتی تھیں۔

اسے وہ کرنا تھا، جو وہ کرنا چاہتا تھا۔

جو یہاں رہ کر تو کم سے کم ممکن نہیں تھا۔ یہاں بھلا اسے جانتا ہی کون تھا۔ کتنا آسان تھا یہاں سے بھاگنا، یہ اس کا خیال تھا۔

وہ مسلسل اپنے ناخن چبا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے ایک! میرا بیٹا تمہارے حوالے۔'' ابا کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ماسٹر جی بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اصولاً اس کو بھی اٹھ کر ابا سے ملنا چاہیے تھا پر وہ یوں ہی بیٹھا رہا۔ ناخن چباتا، پاؤں سے فرش کو ٹھوکر پر ٹھوکر لگاتا۔

وہ اپنی جماعت اور اپنے خاندان کا سب سے فرماں بردار اور باتمیز بچہ تھا۔ اب ایسے بدتمیز بن کر دکھاتا تھا۔ سب سے زیادہ بدتمیز بچہ۔

''ہوں......تو روحان میاں! کتنے نمبر لیے ہیں آپ نے میٹرک میں؟'' ماسٹر جی، ابا کو رخصت کر کے واپس آ چکے تھے اور اب اس سے مخاطب تھے۔

''روحان میاں نہیں، روحان قریشی۔ میرے ابا کا نام میاں نہیں فرحان قریشی ہے۔'' وہ جس حد تک بدتمیزی سے بول سکتا تھا، بولا۔

پر چونکہ اس سے پہلے کبھی کسی سے بدتمیزی نہیں کی تھی تو دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اس نے خود محسوس کیں۔ پر ماسٹر جی کے ردعمل نے اسے حیران کر دیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑے۔ زندگی کا ایک بڑا حصہ انہوں نے ایسے اڑیل، ضدی بچوں کو سدھارتے گزارا تھا۔

وہ پیارا سا بچہ ایسے ضدی انداز میں بولتا انہیں اور بھی پیارا لگا۔ بدتمیز تو ہرگز نہیں لگا، سو روحان قریشی

کی تو پہلی ہی کوشش ناکام ہوگئی۔

"اچھا تو روحان قریشی، آپ یہ بتائیں کہ آپ کا پسندیدہ مضمون کون سا تھا دسویں جماعت میں۔"

اب کے انہوں نے نمبر والا سوال ہی گول کر دیا۔

"انگلش۔" وہ بے ساختہ جواب دے گیا۔

ساتھ ہی زبان دانتوں تلے داب لی۔ اسے ان کی کسی بات کا جواب نہیں دینا، طے ہو گیا۔

اور ایک بٹ...... وہ اندر تک اتر کر اس کے خیالات پڑھ رہے تھے۔

"چلو، آؤ۔ تمہیں اپنے گھر کی سیر کرواتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجبوراً اس کو بھی اٹھنا پڑا۔

وہ جس ہال نما کمرے میں بیٹھے تھے، اس کی لمبائی کم، چوڑائی زیادہ تھی۔ چار دیواریں تھیں۔ چاروں میں ایک ایک دروازہ تھا۔

ایک دروازہ کھلا ہوا تھا اور کچن کا سامان وہاں رکھا نظر آ رہا تھا۔ دوسری دیوار میں غالباً باتھ روم کا دروازہ تھا۔

تیسری دیوار میں موجود دروازہ کھول کر وہ باہر نکلے، پیچھے پیچھے روحان کو بھی باہر آنا پڑا۔

باہر آ کر اس کا سارا غصہ، ناراضی، بدتمیزی سب ہوا میں تحلیل ہوا۔

برآمدے سے ذرا نیچے بائیں ہاتھ دو تین سیڑھیاں اتر کر لائن سے لوکاٹ کے درخت لگے تھے۔

درمیان میں مخملیں گھاس کا فرش تھا۔ دوسری طرف ایک قطار میں مختلف پھولوں کی کیاریاں بنی تھیں جن پر مختلف پھول کھلے ہوئے تھے۔

"یہ باغ کس کا ہے؟" وہ بھول گیا، اسے بدتمیزی کرنا تھی۔ وہ فطرت کا دلدادہ تھا۔ پھول، پھل، پودے، بارش، رنگ یہ سب اس کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔

"یہ باغ ہمارا ہے اور اب تمہارا بھی ہے۔ تمہیں بھی تو یہیں رہنا ہے ناں اب۔"

وہ اس کے چہرے پر چمکتی خوشی دیکھ رہے تھے۔

وہ بھول چکا تھا کہ اسے یہاں سے بھاگ جانا تھا۔

☆☆☆

آپا جی نے کاغذ پر کوئلے سے دو عمودی لائنیں کھینچیں، ان پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔

پھر ان پر دو افقی لائنیں کھینچیں۔

ساتھ ہی ساتھ زیرلب کچھ پڑھ کر پھونکتی بھی رہیں۔

کمرے میں زیرو پاور کے چھ سات نیلے، لال اور پیلے رنگ کے بلب جل رہے تھے۔

ایک طرف دیوار میں ایک اسٹینڈ پر اگربتیاں جل رہی تھیں جن کا دھواں اور خوشبو کمرے میں کچھ مزار والا سا تاثر پیدا کر رہے تھے۔ آپا جی کے سامنے، مسرت جہاں، عقیدت سے سر جھکائے دو زانو بیٹھی تھیں۔

آپا جی کے بالکل پیچھے دیوار کے ساتھ سفید براق لباس میں دو طالبات بیٹھی تھیں، جو آپا جی کے مدرسے میں ہی رہائش پذیر تھیں۔ وہ آپا جی کی ہدایت کے مطابق کاغذ، قلم سنبھالے بیٹھی ان کی ہدایات کی منتظر تھیں۔

"آپا جی، زیرو کا نا کھیلنے لگی ہیں۔" سفید براق لباس میں ملبوس طالبہ زری نے کاغذ پر لکھ کر، پرچا اپنی ساتھی ماہ نور کے سامنے کیا۔

ماہ نور نے کہنی مار کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

آپا جی کا ذکر اب بلند آواز میں ہو رہا تھا۔ کچھ آیات پڑھنے کے بعد انہوں نے کچھ عجیب و غریب سے ناقابل فہم الفاظ بولنا شروع کر دیے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ سر بھی دائیں بائیں ہلانا شروع کر دیا تھا۔

"کالی، موٹی بھجنی پر جن آنے والا ہے۔"

زری نے پھر لکھ کر پرچا ماہ نور کے سامنے کیا۔

ماہ نور نے سخت ناراض نظروں سے زری کو

digest library.com

دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ مسرت جہاں، عقیدت کے مارے تقریباً سجدے میں ہی جانے والی تھیں، دہری ہو ہو کر۔

اب کے آپا جی نے بیٹھے بیٹھے ہی گول گول گھومنا شروع کردیا۔

''حق اللہ، حق اللہ۔'' انہوں نے ایک ہاتھ اٹھایا۔

زری نے فٹافٹ اٹھ کر باقی بلب بند کیے، صرف سرخ بلب جلتے رہنے دیے۔

''اب دیکھنا اس ڈائن کے ڈرامے۔'' زری نے پرچا دوبارہ ماہ نور کے سامنے کیا، جس کو ماہ نور نے پڑھے بغیر ہی پرے کردیا۔ ''خود تو بے عزت ہوتی ہی رہتی ہے، میری بھی شامت بلوائے گی۔''

اب کے آپا جی نے آنکھیں کھولیں اور اپنی سرخ سرخ آنکھیں (جو سرخ بلب کی مرہون منت تھیں) کھول کر، آواز حتی الامکان بھاری بنا کر بولنا شروع کیا۔

''مسرت بی بی!''

''جی، سرکار! مسرت بی بی حاضر سرکار۔''

''زائچہ ہو ہو ہو...... آہا!'' آپا جی نے گردن گھما کر ان دونوں کو دیکھا۔

''جھنگالالا ہو ہو......''

بہت کنٹرول کرنے کے باوجود زری کی ہنسی چھوٹ گئی۔ بے عزتی تو ویسے بھی ہونی ہے، سو کھل کر ہنس ہی لوں۔ اس نے پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنا شروع کردیا۔ دو ماہ ہونے کو آئے تھے اسے یہاں داخلہ لیے لیکن وہ ان ڈرامہ بازیوں کی عادی نہیں ہو پا رہی تھی۔

''بہت سخت عمل ہے۔ بہت سخت عمل ہے۔ تعویذ کروا رکھے ہیں، کوئی اپنا ہے۔ بہت اپنا۔''

بمشکل زری نے ہنسی کنٹرول کی۔

مسرت جہاں کبھی کبھی نظروں سے زری کو دیکھ رہی تھی۔

''لگتا ہے جن آپا جی کے بجائے زری پر آگیا ہے۔ ہے بھی تو کتنی خوب صورت۔''

تب ہی آپا جی کی بھاری بھرکم آواز انہیں حال میں واپس لے آئی۔

''شاہ پور کے قبرستان میں چاند کی سترہ تاریخ کو رات بارہ بجے چلہ کاٹنا پڑے گا۔ چیزیں بول بچہ۔''

انہوں نے بغیر ان دونوں کی طرف دیکھے، صرف اشارے سے حکم کیا۔

''الو کا سر! لومڑی کا کلیجہ۔ ہم وزن لے کر کالی ہانڈی میں کسی نومولود کی قبر کے پاس بیٹھ کر پکانا ہے۔'' ماہ نور نے پرچا پڑھنا شروع کیا۔

''ہائے اللہ!'' مسرت جہاں دھک سے رہ گئیں۔ ''یہ...... میں نہیں کرسکتی۔'' وہ گھبرا کر بولیں۔

''یہ حکم کاغذ پر لکھا ہوا ملا ہے، کرنا تو پڑے گا۔'' آپا جی کی آواز واپس اصل ٹون میں لوٹ رہی تھی۔

''سرکار، کچھ اور حکم کریں۔'' مسرت جہاں نے آپا جی کے گھٹنے کو چھوا۔

''حق ہو ہو ہو......'' آپا جی نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر نعرہ لگایا۔ مسرت جہاں گھبرا کر پیچھے ہوئیں۔

زری کے منہ سے دوبارہ ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔

''لگتا ہے آپا جی! میرے مسئلے کا توڑ کرتے کرتے اس بچی کے دماغ پر اثر ہوگیا ہے۔'' مسرت خوف زدہ نظروں سے زری کو تک رہی تھیں۔

''اس بچی کا مسئلہ تو اچھے طریقے سے بعد میں حل کروں گی، پہلے تیرے مسئلے کا تو کچھ ہوجائے۔'' آپا جی نے سرخ انگارہ آنکھیں زری پر گاڑیں۔ زری کی روح تک فنا ہوگئی ان کا جلال دیکھ کر۔

''آج تو خیر نہیں۔'' زری دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرنے لگی۔

''اچھا تو مسرت بی بی! تمہارے لیے کچھ آسان راستے دیکھتے ہیں۔'' آپا جی کی آواز اب بالکل نارمل ہو چکی تھی۔

''ہاں بچہ! دیکھ پرچے پر کیا ظاہر ہوا؟'' انہوں نے ترچھی نظر زری کی طرف کی۔
جو اس بات کا اشارہ تھا کہ تمہارا کام شروع ہوا۔
کچھ نہیں ظاہر ہوا نیا، وہ جو آپ نے لکھ کر رکھا ہوا ہے وہی ہے بس۔
''ایک کالا بکرا، جس کے دونوں سینگوں کے درمیان چاند بنا ہوا ہو۔ ایک مصری مرغا جس نے پہلی اذان، تہجد کے وقت دی ہو۔'' زری فرفر بولنے لگی۔
اس کے علاوہ بھی کافی کچھ تھا۔
''آپا جی! یہ ایسا بکرا، مرغا اور یہ بقایا چیزیں میں کہاں ڈھونڈتی پھروں گی۔'' مسرت جہاں پریشانی سے گویا ہوئیں۔
''دیکھ مسرت! میرا جاننے والا ایک عامل ہے۔ وہ یہ سب چیزیں ڈھونڈ کر لے آئے گا پر......''
انہوں نے پھر کو توقف کیا۔
''پر کیا؟'' مسرت بے قراری سے گویا ہوئیں۔
''پر پیسے ٹھیک ٹھاک لگیں گے۔'' انہوں نے اطمینان سے کہا۔
''آپا جی! پیسوں کا ہی تو مسئلہ ہے سارا۔ جو جمع جتھا تھا وہ تو بٹن کو کاروبار کروا کر دینے میں ضائع ہو گیا۔ ہاتھ بھی کچھ نہیں آیا۔ تین بار کوشش کی، تینوں بار پیسہ ڈوب گیا۔''
مسرت جہاں افسوس سے بولیں۔
''اب تو کچھ بھی نہیں رہا پلے۔''
''اولاد تو ہے نا، ابھی باقی۔ اس کو بھی گنوانے کا ارادہ ہے کیا۔'' آپا جی نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔
''اللہ نہ کرے آپا جی۔'' مسرت دہل گئیں۔
''ابھی تو پیسہ تھا نا، کاروبار میں لگایا ڈوب گیا۔ کل کو پیسہ نہیں ہوگا، کاروبار نہیں ڈوبے گا تو یہ سفلی عملیات بچوں کی جان لے لیں گے۔ تیرے دشمن بہت ہیں مسرت! اب سوچ لے، بچوں کی جان پیاری ہے کہ نہیں؟''

مسرت جہاں سوچ میں گم ہو گئیں۔

☆☆☆

کمرے میں زری کی کلاس زور و شور سے جاری تھی۔
باہر ماہ نور حفاظت کی دعائیں پڑھ پڑھ کر زری پر غائبانہ پھونکیں مار رہی تھی۔
''دو کم بخت! تو انسان بنے گی یا نہیں۔ پکی مریدنی ہے میری، گھر کا آدھا خرچا اس کے پیسوں سے چلتا ہے۔ تیری یہی حرکتیں رہیں تو ایک ایک کر کے سارے مرید بھاگ جائیں گے۔''
زری بے چاری تھر تھر کانپ رہی تھی۔
آخر آدھے گھنٹے کی کلاس لینے کے بعد تھک ہار کر آپا جی نے اسے چھوڑ ہی دیا۔
ایک تو مصیبت یہ تھی کہ اس سال ان کے پاس یہی دو شاگرد تھیں ورنہ اس زری منحوس کو تو کبھی عمل میں شامل نہ کرتیں۔ بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتی تھی دانت نکال نکال کر۔
آپا جی کا بس چلتا تو بتیسی ہی توڑ دیتیں کم بخت کی۔
''ماہ نور......او ماہ نور!'' انہوں نے کڑک دار آواز میں اسے پکارا۔
''جی، آپا جی۔'' وہ بھاگی آئی۔
''میں ذرا بازار تک جا رہی ہوں۔ دروازہ اندر سے بند کر لے۔ کوئی میرا پوچھنے آئے تو بول دینا، چلہ کاٹ رہی ہیں، مل نہیں سکتیں۔ اور ہاں، چائے بنا کر رکھ۔ میں واپسی میں سموسے، جلیبیاں لیتی آؤں گی۔''
وہ حکم صادر کر کے، چادر اوڑھ کر باہر نکل گئیں۔
پیچھے ماہ نور اور زری نے سکھ کا سانس لیا۔
''تو باز کیوں نہیں آ جاتی زری! روز بے عزتی کرواتی ہے۔''
ماہ نور نے اس کے لتے لینے شروع ہی کیے تھے کہ زری نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کروا دیا۔
''ماہ نور! تم تو کم سے کم میرا دماغ خراب مت

کرو۔ ایک تو مصیبت ابا بھی چھ ماہ بعد ملنے آئیں گے۔ ابھی چار ماہ اور اس مصیبت میں گزارنے ہیں۔"

"سال کا کورس ہے۔" ماہ نور نے یاد کرایا۔

"مجھے کوئی کورس ورس مکمل نہیں کرنا اس ڈھونگی عورت سے۔"

اس کے بعد ایک لمبی تقریر اس نے آپا کی شان میں اس وقت تک کی، جب تک کے خطرے کا بگل (یعنی دروازے کی گھنٹی) بج نہیں گیا۔

ماہ نور دروازہ کھولنے گئی تھی۔

واپسی میں اکیلی واپس آ گئی۔

زری نے جھانک کر آپا جی کو دیکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

"کون تھا؟"

"تھا نہیں...... تھی۔"

"کون؟"

"وہی مسرت جہاں۔"

"اب کیا کرنے آئی تھیں؟"

"کہہ رہی تھیں، آپا جی سے کہنا اپنے اس جاننے والے عامل سے کہیں کہ عمل شروع کرے۔ وہ کچھ زیور بیچ کر روپے ادا کر دیں گی۔"

"اف......" زری سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ "یہ عورت تو میری سمجھ، عقل سے زیادہ بے وقوف ہے۔ میرا بس چلے تو آپا جی اور ان کی مریدنیاں سب کو جوتے مار مار کر گنجا کر دوں۔"

زری سخت طیش کے عالم میں بولی۔

"گنجا نہیں، گنجی۔" ماہ نور بولی۔

اور دونوں ہی ہنس پڑیں۔

☆☆☆

"ہم آٹھ برس کے تھے جب ایک نواز بٹ کے والد محترم کو روتے ہوئے کہیں سے ملے۔ بہت کوشش کی انہوں نے ہمارے والدین کو ڈھونڈنے کی، لیکن کوئی اتا پتا سراغ نہ مل سکا۔ بس پھر انہوں نے ہماری پرورش کی ذمہ داری اٹھائی۔ یہ ایک ہم سے کوئی دو تین سال بڑے تھے۔ ان کا دماغ پڑھائی میں خوب چلتا تھا۔ ہمارا مشین کے پرزوں میں۔ تو بس یہ استاد بن گئے، ہم کارخانے میں بیٹھنے لگے۔ یہ جو کارخانہ آپ دیکھ رہے ہیں نا۔"

سیف چاچا نے روحان کو اشارے سے بتایا۔

وہ دونوں اس وقت کارخانے میں موجود تھے۔

"ہم سولہ سال کے تھے جب چچا میاں نے یہ بنوایا۔ دو کنال کا یہ پلاٹ انہیں ترکے میں ملا تھا، ایک حصہ گھر کے لیے مختص کر دیا۔ دوسرا کارخانے کے لیے۔ پلاسٹک کے کھلونے، برتن وغیرہ۔ شروع میں تو بس چار ملازم تھے، ایک چچا میاں خود۔ کچھ ہم دیکھ لیتے تھے پھر رب نے کرم کیا۔ کام بڑھنا شروع ہو گیا، کارخانے کے ساتھ ہی اس طرف ایک دو کمرے اور باتھ روم انہوں نے ملازمین کے لیے بنوا دیے۔ یہ اندر کی طرف ایک کمرہ کچن باتھ روم ہمارے لیے مخصوص کر دیا۔ ایک کارخانے کے حساب کتاب کا کام سنبھالتے تھے یعنی سپروائزر۔ چچا میاں اور ہم دونوں ہی کام کرتے۔" وہ تھوڑے توقف سے بولے۔

"ہماری اور ایک کی شادی بھی کچھ دو سال کے وقفے سے ہوئی۔ ایک کو اللہ نے پانچ بیٹیوں سے نوازا، جس میں سے دو انہوں نے بیاہ دی ہیں، تین باقی ہیں۔ ہمیں اللہ نے اولاد بہت دیر سے دی اور ہماری بچی ابھی تین چار سال کی تھی تو اس کی ماں اللہ کو پیاری ہو گئی۔ ہماری بچی کو بھی بھابھی بیگم ہی سنبھالتی تھیں، اللہ بھلا کرے بڑی نیک خاتون ہیں۔"

"گھر کا دروازہ دوسری طرف ہے۔" روحان نے سوال کیا۔

"نہیں، مین انٹرنس تو ایک ہی ہے۔ ہاں اندر آ کر وہ حصہ الگ ہو جاتا ہے، یہ الگ۔"

"ماسٹر جی کے والد صاحب کہاں ہیں؟"

"پانچ ورے ہو گئے ان کے انتقال کو۔"

"ورے؟" روحان نے تعجب سے انہیں

Digest Novels Lovers Group ♥♥

digest library.com

دیکھا۔

"ہاں، برس کو کہتے ہیں۔"

"اچھا، اچھا۔" اس نے سر ہلایا۔

"اب آپ بتایے، کچھ اپنے بارے میں۔"

"میں......؟" روحان نے کچھ سوچا پھر بولنا شروع کیا۔ "میٹرک میں کر چکا ہوں۔ آگے پڑھنا چاہتا تھا پر میرے گھر والوں کا خیال ہے کہ مجھے اب کوئی ہنر سیکھ کر کمانا شروع کر دینا چاہیے۔ سو یہاں بھیج دیا ماسٹر جی کے پاس تاکہ کارخانے میں کام کروں۔ مگر ماسٹر جی نے میرا تعلیم کا شوق دیکھتے ہوئے میرا داخلہ کالج میں کروا دیا ہے۔ سو میں نے بھاگنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔"

"بھاگنے کا ارادہ؟" سیف چاچا بے ساختہ ہنسے۔ "بھاگتی تو لڑکیاں ہیں گھر سے، وہ بھی عشق معشوقی میں۔"

"جی، جو مجھے یہاں کارخانے میں کام کرنے پر مجبور کیا جاتا تو آپ لڑکے کے بھاگنے کا بھی سن لیتے وہ بھی کتابوں کے عشق میں۔"

سیف چاچا نے خوب حظ اٹھایا اس کی بات کا۔

سیف چاچا اور اس کی خوب گاڑھی چھننے لگی تھی۔ شام میں ماسٹر جی بھی آ جاتے، خوب باتیں ہوتیں۔

اب تک روحان کو ماسٹر جی کے گھر کے اندر جانے کا موقع نہیں مل پایا تھا۔ نہ اس نے ہی کوئی ضرورت محسوس کی تھی۔

ہاں چچی جان (ماسٹر جی کی بیگم) سے دو ایک بار سلام دعا ہوئی تھی۔ بڑی خوش اخلاق خاتون تھیں۔

صبح اور شام کی چائے سیف چاچا خود تیار کرتے تھے۔ کھانا البتہ ماسٹر جی کے گھر سے آتا تھا۔

سیف چاچا تین دن سے بیمار تھے، تب ہی وہ ان کی خوب خدمت کر رہا تھا۔ وہ اندر نہ جا پائے تو ان کی بیٹی باپ سے ملنے چلی آئی۔ تو، دس سال کی گول مٹول سی گڑیا۔

"آپ کون؟" اس نے روحان کو دیکھ کر سوال کیا۔

"میں روحان اور آپ کون؟" روحان نے جوابی سوال کیا۔

"میں رانی! آپ وہی ہیں نا جو روز کالج جاتے ہیں۔" وہ نہ جانے کس چیز کی تصدیق چاہ رہی تھی۔

"جی میں وہی ہوں۔"

"تو آپ ہی ہوئے لڈو۔" وہ مزے سے بولی۔

"لڈو؟" وہ حیران ہوا۔ "کیا مطلب؟"

"وہ رخشی آپا آپ کو لڈو بولتی ہیں۔"

"رخشی آپا......؟ وہ کون ہیں؟"

"وہ خشی آپا ہیں، بتا تو رہی ہوں۔"

"تو وہ مجھے لڈو کیوں بولتی ہیں۔"

"پتا نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے اور بھاگتی دوڑتی واپس چلی گئی۔ روحان کو حیران پریشان چھوڑ کر۔

"یہ رخشی آپا کون ہیں اور مجھے لڈو کیوں بولتی ہیں؟"

یہ بات تو اسے معلوم کرنا ہی تھی۔

☆☆☆

کچھ دیر ہی گزری تھی، مغرب کی اذانیں ہوئے۔

آسمان پر کالی اور سفید دھاریاں بس آپس میں مدغم ہونے کو تھیں۔ ایسے میں دو چھتوں کی درمیانی دیوار پر دو ہیولے سے کھڑے نظر آتے تھے۔

"تم نے مجھ سے جھوٹ بول کر پیسے لیے، اصل میں تمہیں شادی کی تیاری کے لیے پیسے چاہیے تھے۔ تمہاری سہیلی کی شادی اتنی ضروری تھی کہ میں نے اماں سے جھوٹ بول کر، کاروبار تباہ کر کے تمہیں پیسے دیے۔"

"نہیں نہیں بٹن! وہ میں نے پیسے اسی مقصد سے لیے ہیں، جو تمہیں بتایا تھا۔"

"مطلب منو جھوٹ بول رہی ہے۔"

"نہیں، منو بھی جھوٹ نہیں بول رہی۔ اصل

میں تم سے پہلے میں نے منو سے ہی مانگے تھے روپے۔ اس کو شادی کا کہا تھا اور کیا کہتی۔"

وہ گہرے سانولے رنگ والی لڑکی، اس گورے چٹے لڑکے سے کچھ شرمندہ تھی۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں بٹن! اگر شدید مجبوری نہ ہوتی، میں کبھی تم سے رقم نہ لیتی۔" اس نے اضطراب سے انگلیاں مروڑیں۔

"میں جتنا جلد ممکن ہو سکا یہ رقم تمہیں واپس......"

بات ابھی درمیان ہی میں تھی کہ بٹن کی طرف والی سیڑھیوں میں کچھ آہٹ سی ہوئی۔

"کوئی آ رہا ہے۔"

وہ بھاگتی ہوئی چھت سے نیچے جاتی سیڑھیاں اتر گئی۔ بٹن ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"ارے بچہ! اس وقت اوپر کیا کر رہا ہے؟" مسرت جہاں بولتی ہوئی اس تک آئیں۔

"کتنی مرتبہ کہا ہے، دونوں وقت ملنے کے ٹائم کھلے آسمان کے نیچے نہیں جاتے۔ جن، بھوت چمٹ جاتے ہیں۔"

"کیا خبر، کوئی کالی چڑیل چمٹ ہی گئی ہو بٹن بھیا کو۔" یہ منو تھی جو ماں کے ساتھ ہی ساتھ اوپر آئی تھی۔

بٹن تھوڑا اجز بز ہوا اس کی بات پر۔

"ہائے اللہ۔" مسرت نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ "بری بات منہ سے نہیں نکالتے گڑیا۔ ہمیشہ اچھا بولتے ہیں، اچھا سوچتے ہیں۔"

"کتنی اچھی ہے نا ہماری اماں! اگر جو تعویذ دھاگوں کے چکر سے باہر نکل آئیں۔" بٹن اس وقت یہی بات سوچ رہا تھا، جب منو کی بات نے ارتکاز توڑا۔

"اماں نیچے چلنے کو کہہ رہی ہیں بھیا! تم نہ جانے کس کے خیالوں میں کھوئے ہوئے ہو۔"

بٹن بغیر کوئی جواب دیے نیچے چل دیا۔ یہ دیکھے بغیر کہ منو بڑے معنی خیز انداز میں برابر والوں کی سیڑھیاں گھور رہی ہے۔

☆☆☆

روحان، سیف چاچا کو چائے پلا کر، برتن دھو کر کارخانے جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ جب باہر اسے کچھ ہل چل محسوس ہوئی۔

یوں ہی بغیر کسی تجسس کے اس نے باورچی خانے کی کھڑکی کھول لی، جو باہر باغ میں کھلتی تھی۔

"پھر میں چلی جاؤں رخشی آپا؟" رانی پانی کا ڈول ایک دراز قد فربہی مائل لڑکی کو پکڑا کر واپس جانے کی اجازت مانگ رہی تھی۔

لڑکی کا چہرہ دوسری طرف تھا، سو وہ دیکھ نہ پایا۔

بس پشت پر پھیلی کشمیری شال نظر آئی۔

"ہاں جاؤ اور کتابیں لے کر بیٹھو۔ میں بس پودوں کو پانی دے کر آ رہی ہوں۔"

"رخشی آپا!" روحان نے زیرلب یہ نام دہرایا۔

آہستہ سے کھڑکی بند کرتا وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"آپ پودوں کو پانی دے رہی ہیں؟" روحان اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک کر بولا۔

رخشی ایک دم کرنٹ کھا کر اچھلی، اس غیر متوقع آواز پر۔

"جی نہیں، دودھ پتی پلا رہی ہوں پودوں کو۔ یہ دیکھیے۔" تیکھے انداز میں کہتے ہوئے اس نے پانی کی دھار گراتا برتن روحان کے سامنے کیا۔

روحان بس، بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"آپ سے کچھ پوچھنا تھا مجھے رخشی آپا؟" ہمت کر کے بولا۔

"رخشی آپا......" وہ اس قدر زور سے چلائی کہ روحان نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا، مبادا کوئی باہر ہی نہ آ جائے۔

"یہ آپا کس حساب کتاب سے کہہ رہے ہو تم مجھے۔" وہ پانی کا برتن ایک طرف رکھ کر، اب دونوں ہاتھ کشتی لڑنے والے اسٹائل میں کمر پر ٹکائے اس

digest library.com

کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔

"بلکہ رخشی بھی کیوں کہا تم نے مجھے؟"

روحان نے دھیان سے اس سرخ و سفید، غصے سے بے قابو ہوتی لڑکی کو دیکھا، جس کی تھوڑی کے عین درمیان ایک باریک سا کالے رنگ کا تل تھا۔

"تو اور کیا کہوں؟"

وہ گلاب کے پھولوں کے درمیان کھڑی کوئی گلاب ہی محسوس ہو رہی تھی۔ سولہ سترہ برس کے اس لڑکے کو اپنا دل ہاتھوں سے نکلتا محسوس ہوا۔

"گل رخشندہ نام ہے میرا اور خبردار جو آئندہ مجھے رخشی یا آپا کہنے کی کوشش کی اور اس راستے کو......" اس نے انگلی سے سرخ اینٹوں والے صحن کے اختتام پر موجود پھاٹک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "صرف آنے جانے کے لیے استعمال کیا کرو اس کے علاوہ آئندہ یہاں نظر نہ آنا۔" سخت لہجے میں تنبیہ کرکے اب وہ دوبارہ پودوں کو پانی دینے لگی تھی۔

"یا اللہ! یہ لڑکی کس بات کا غصہ مجھ پر نکال رہی ہے۔" وہ سوچ کر رہ گیا۔

"سنیں، وہ آپ سے کچھ پوچھنا تھا مجھے۔" وہ مطلب کی بات پر آیا۔

توبہ! کیسا ڈھیٹ شخص ہے۔ کچھ اثر ہی نہیں ہو رہا ہے بے عزتی کا۔

"تمہیں جو کچھ بھی پوچھنا ہے نا اپنے ماسٹر جی سے پوچھنا۔" انداز کچھ ایسا تھا گویا کہہ رہی ہو، معاف کرو مجھے۔

"دیکھیے ماسٹر جی سے اگر میں نے یہ پوچھا کہ آپ کی بیٹی مجھے لڈو کس حساب کتاب میں بولتی ہے تو شاید انہیں معلوم ہی نہ ہو۔ تو پھر یہ بات تو مجھے آپ سے ہی پوچھنی پڑے گی نا......؟" اس نے معصومیت سے کہہ کر گل رخشندہ کے تاثرات جانچنے چاہیے۔

جو حیران پریشان اس کی بات سن رہی تھی۔ پریشانی صرف ایک ہی کی بات تھی، تمہیں کس نے بتایا۔

"تمہیں کیوں لگا کہ میں تمہیں موٹا لڈو کہتی ہوں۔"

انداز ایسا تھا گویا کہہ رہی ہو، تمہیں کس نے بتایا؟

"اچھا تو صرف لڈو نہیں، موٹا لڈو۔" روحان قریشی بے ساختہ ہی ہنسا۔ "میرا تو نہیں خیال کہ میں موٹا ہوں۔"

اس نے اپنے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے سامنے کھڑی گوری چٹی حسینہ کو دیکھا۔

"مطلب لڈو ہو؟" اس نے ایک ابرو سوالیہ انداز میں چڑھائی۔

روحان دوبارہ ہنسا۔

"اب اس بارے میں، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہوسکتا ہے کہ میں آپ کو اتنا سویٹ لگا ہوں کہ آپ نے مجھے لڈو ہی کا ٹائٹل دے دیا۔" اس نے بات کو مرضی کا رنگ دیا۔

"تم مجھے اتنے زہر لگتے ہو کہ میں نے تمہیں لڈو کا ٹائٹل دے دیا۔ مٹھائیوں میں، میری سب سے زیادہ ناپسندیدہ مٹھائی لڈو ہی ہے۔"

وہ کہہ کر سرخ چہرہ لیے، تیز تیز قدم اٹھاتی، سرخ اینٹوں والے فرش کو پاؤں تلے روندتی چلی گئی۔

پیچھے روحان حیران کھڑا سوچ رہا تھا۔

"میں نے آخر کیا بگاڑا ہے اس کا۔"

☆☆☆

"دیکھو! کل ہی میں نے آپا جی سے کہہ کر عمل شروع کروایا ہے اور آج خوشی کی خبر آگئی۔" مسرت جہاں تو خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔

"بس ایک دفعہ اس عمل کی کاٹ ہو جائے تو خوشیوں کے دروازے کھل جائیں گے ہمارے گھر پر۔" وہ اپنی دھن میں بول رہی تھیں۔

"اماں! تم خواہ مخواہ اتنے پیسے ان عاملوں پر ضائع کرتی ہو۔" بٹن بے زاری سے بولا۔

"ہاں تو اور کیا، پیسے ضائع ہی کرنے ہوں تو بٹن بھیا کو دے دیا کرو۔ یہ کام تو بھیا بھی بہت اچھے

طریقے سے کر سکتے ہیں۔ یوں ہی عاملوں کو درمیان میں ڈال رکھا ہے۔"

منو اور اس کی زبان میں کھجلی نہ ہو، ممکن ہی نہ تھا۔

بٹن بس پہلو بدل سکتا تھا اس کی بات پر، سو بدل لیا۔

"ارے نہیں بچہ! تو بہت معصوم اور بھولا ہے۔ تجھے معلوم ہی نہیں ہے۔ کیسے کیسے دشمن ہمارے گھر کو نظر میں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ دشمن ہی ہیں نا جو میرا لڈن آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔"

وہ لڈن کو یاد کر کے رونے لگیں۔

انو، منو اور بٹن، تینوں ماں کے آس پاس آ کر کھڑے ہو گئے ماں کو تسلی دینے کے لیے۔

"اچھا اماں! تم کوئی خوشی کی خبر کی بات کر رہی تھیں۔" بٹن نے ماں کا دھیان بٹانے کو کہا۔

انہوں نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

"وہ سلیمن کوئی رشتہ لا رہی ہے، انو اور منو کے لیے کل۔ بس بات بن جائے تو تینوں بچوں کو ایک ساتھ ہی فارغ کر دوں۔"

"اماں! سلیمن بوا ایک رشتہ ان دونوں کے لیے لا رہی ہیں اور اس ایک رشتے میں آپ بھیا سمیت تینوں کو ہی فارغ کر دو گی۔ کیا یہ بھی کسی عمل سے ممکن ہو گا یا پھر عامل صاحب بذات خود تشریف لائیں گے۔"

منو نے چپ رہنا تو سیکھا ہی نہ تھا سو جو دماغ میں آیا بول گئی۔

"ارے نہیں بیٹا! سلیمن بتا رہی تھی، دو بھائی ہیں۔ ایک ان کی بہن ہے۔ اگر بات بن گئی تو اسی ایک گھرانے میں، تینوں بچوں کے رشتے جڑ جائیں گے۔" اماں نے وضاحت کی۔

"اماں! ابھی تو آپ فی الحال صرف ان دونوں کا سوچو، مجھے درمیان میں نہ ڈالو۔"

بٹن تو شادی کے ذکر پر ہی بدک اٹھا۔

"ارے بیٹا ان کو بھی یہی لالچ ہو گا نا کہ بیٹی کے فرض سے سبک دوش ہو جائیں گے۔ دو وہ ہماری لیں گے تو ایک اپنی بھی تو دیں گے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

بٹن نے پریشانی سے پہلو بدلا۔

انو کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ہاں منو نے بھیا کی پریشانی کو دھیان سے نوٹ کیا۔

"اماں! بھیا کو مغرب کے وقت اوپر نہ جانے دیا کرو۔ پچھل پیریاں ساتھ چپٹ جاتی ہیں۔"

منو نے یوں ہی بات کی تھی، نظر پیچھے والوں کی دیوار پر تھی۔ خلاف توقع بٹن بھڑک اٹھا۔

"باز آ جا تو...... ورنہ میں بھی کسی عامل سے عمل کروا کر مکھی بنا کر یہاں دیوار پر چپکا دوں گا۔"

"اتنا غصہ کاہے کو......؟"

اس نے شرارت سے بھائی کو دیکھا گویا کہہ رہی ہو، سب سمجھ رہی ہوں میں۔

بٹن پاؤں پٹختا وہاں سے چلا گیا۔

"اس کو کیا ہوا؟" مسرت جہاں حیران اسے تک رہی تھیں۔

"نظر رکھا کریں، لگتا ہے کوئی بلا پیچھے لگ گئی ہے۔" منو نے کہتے ہوئے ایک ادا سے بال جھٹکے۔

☆☆☆

"ایسے ہی خواہ مخواہ ایک اور مصیبت بلا کر گلے ڈال لی ہے۔" رخشی غصے میں بھری برتن دھو کم رہی تھی، پٹخ زیادہ رہی تھی۔

"آخر تمہیں مسئلہ کیا ہے اس بے چارے سے۔ ابا میاں کے کتنے ہی کام سنبھال لیے ہیں اس نے آ کر۔ سارا کھاتہ حساب کتاب، ابا میاں کی آدھی پریشانی ختم ہو گئی ہے۔"

گلنار اس کے غصے کی وجہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"پہلے تو صرف کارخانے اور پچھلے پورشن تک محدود تھا۔ اب تو گھر کا فرد بنتا جا رہا ہے۔ ایسے ہی کسی دن آ کر گھر میں رہنے بھی لگ گیا۔"

رخشی کا تو پارہ ہی زمین پر نہیں آ رہا تھا۔

"تو بنو! ابا میاں آکر کہاں تک اور کیا کیا کام دیکھیں۔ شادی کے ہزار بکھیڑے ہیں، پھر ابا میاں کا اسکول، پھر کارخانہ۔ وہ کدھر کدھر پورے ہوں۔ ایسے میں اگر روحان نے ان کا بوجھ بانٹ لیا ہے تو ہمیں تو خوش ہونا چاہیے۔"

گلنار اپنی سی کوشش کر رہی تھی چھوٹی بہن کو سمجھانے کی۔

"آخر زوبیہ آپا اور ربیعہ آپا کی بھی تو شادی ہوئی ہی تھیں نا۔ اس کے بغیر، پھر اب نیا کیا ہے؟"

"اب نیا یہ ہے کہ دو شادیاں ایک ساتھ ہو رہی ہیں۔ مزید نیا یہ ہے، ابا میاں بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ اس پر مستزاد کہ اللہ نے ان کو اولاد نرینہ بھی عطا نہیں کی۔"

"سیف چاچا ہیں نا ان کے ساتھ۔" رخشی بے ساختہ بولی۔

"سیف چاچا، ابا میاں کی اولاد نرینہ ہیں؟" گلنار نے حیران ہو کر رخشی کی شکل دیکھی۔

"نہیں، میرا مطلب ہے، ساتھ دینے کو موجود تو ہیں نا۔" وہ کچھ جل سی ہو کر بولی۔

"سیف چاچا پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ حساب کتاب نہیں کر سکتے ہو۔ کارخانے کے ملازمین کے کام پر نظر رکھ لی، چائے بنا کر پی لی، پلادی اور ملازمین کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ بس یہ کر سکتے ہیں وہ، اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔"

رخشی برتن دھو چکی تھی۔ سو چپ چاپ کچن سے باہر آ گئی۔ گلنار بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گئی۔

"رخشی! دو سال ہونے کو آئے روحان کو ہمارے گھر رہتے۔ بے چارہ بے ضرر سا لڑکا ہے۔ تمہیں کس بات کی پرخاش ہے اس سے، آج بتا ہی دو۔"

"کسی بات کی پرخاش نہیں ہے۔" وہ پھولا پھولا منہ دوسری طرف کر کے بولی۔

اس کے بعد میں اور زیبا بیاہ کر چلی جائیں گی پھر کس کے آگے دل کا بوجھ ہلکا کرو گی؟ سو جو کہنا ہے آج کہہ دو۔ گلنار اسے اعتماد میں لے رہی تھی۔

"اچھے بھلے میں اور ابا میاں شام سے رات تک بیٹھے، بحث مباحثے کیا کرتے تھے۔ ایک ایک شعر اور شاعر کو باری باری ڈسکس کرتے۔ نثر پر دھواں دار تقاریر کرتے، پھر درمیان میں، وہ لڈو آ گیا۔"

بولتے بولتے رخشی نے دانت پیسے۔

"پہلے ابا میاں نے مجھے وقت دینا کم کیا، پھر اور کم کیا اور آہستہ آہستہ بالکل ہی لاتعلق ہوتے گئے۔ اب تو کتنے وقت سے انہیں شاید یاد بھی نہیں ہے کہ ہماری کیسی محفل جمتی تھی۔"

رخشی نے اپنے تئیں حقیقت بیان کی۔

گلنار ہنسنے لگی۔

"کیسی بچگانہ باتیں کر رہی ہو رخشی! ابا میاں مصروف ہو گئے ہیں۔ ان کی مصروفیات کا روحان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اس لڈو کا آنا ہی منحوس ٹھہرا۔"

رخشی اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"اچھا کھانے کی تیاری کر لو، اماں اور زیبا آتی ہی ہوں گی بازار سے۔"

تب ہی دروازہ بجا۔

"کون؟" گلنار نے پوچھا۔

"میں روحان۔"

گلنار نے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"یہ ماسٹر جی نے کچھ سامان بھجوایا ہے۔" وہ تین چار بڑے بڑے برتن کے کارٹن ایک طرف رکھ رہا تھا۔

"اندر لے آؤ۔" گلنار نے راستہ دیا۔

اس نے ایک ایک کر کے ڈبے اندر پہنچائے۔ کن اکھیوں سے منہ پھلائے بیٹھی رخشی کا جائزہ لیا۔

"تمہیں یہاں آنے کی بہت خاص ضرورت ہوتی ہے۔" رخشی غصے سے اسے دیکھ کر بولی۔

"جی بہت خاص۔ تمہیں نہ دیکھوں تو دن نہیں گزرتا۔" آخری کارٹن رکھتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

"آپ ہر وقت غصے میں رہتی ہیں یا مجھے دیکھ کر یہ حال ہوتا ہے۔" آج اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

"تم سے مطلب۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"بری بات رخشی!" گلنار نے ٹوکا۔

"اچھا آپا! چلتا ہوں۔" وہ اس کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے پلٹا۔

"ارے نہیں، رکو۔ چائے پی کر جانا۔" گلنار نے روکا۔ وہ بھی فوراً ہی رک گیا۔ صوفے کے کنارے پر ٹک گیا۔

"میں نہیں بنا رہی چائے۔" رخشی نے باآواز اعلان کیا۔ گلنار نے اس بدتمیزی پر گھور کر اس کو دیکھا۔

جس پر اس طرح کی گھوریاں ہرگز اثر انداز نہیں ہوتی تھیں۔

"میں بناتی ہوں۔" گلنار اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی۔

"رہنے دیجیے آپا! چلتا ہوں۔"

"اللہ حافظ۔" رخشی فوراً سے بھی پیش تر بولی۔

"رخشندہ!" اب کے گلنار نے سخت غصیلی نظر اس پر ڈالی جو وہ نظر انداز کر گئی۔

"بیٹھ جاؤ روحان! بس دو منٹ میں لائی چائے۔" مزید کوئی بات سنے بغیر وہ کچن میں غائب ہو گئی۔

"ویسے کوئی سترہ، اٹھارہ دن ہی رہ گئے ہیں بمشکل۔" روحان نے بات شروع کی۔

"تمہارے یہاں سے جانے میں......" رخشی نے نظر اٹھا کر اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ زیبا آپا اور گلنار آپا کی شادیوں میں۔"

"تو......؟" رخشی نے ابرو چڑھائے۔

"تو، آپ کو چاہیے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ آرام دینے کی کوشش کریں تا کہ وہ سسرال جا کر یاد تو کریں۔"

"تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔" وہ بدلحاظ ہوئی۔

"اپنے پاس رکھے رکھا تو پھر مشورہ تو نہیں ہوگا نا۔"

"تم ہمارے گھر کے ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھتے ہو۔"

"نہیں۔"

(صرف آپ کے معاملے) زیر لب بولا۔

"اور کان کھول کر سن لو۔" رخشی نے اسے سرزنش کرنے کی ٹھانی۔

"جی کھلے ہوئے ہیں۔" فوراً بولا۔

"تم میرے ابا میاں پر ڈورے ڈالنا چھوڑ دو۔"

"جی......؟" وہ جس قدر حیران ہو سکتا تھا، ہو لیا۔

"کیا کرنا چھوڑ دوں؟" تصدیق ضروری سمجھی۔

"میرے ابا کو اپنی لچھے دار باتوں میں الجھانا چھوڑ دو۔"

"میں ابھی بھی نہیں سمجھا۔"

"یہ جو تم آہستہ آہستہ قبضے کا پلان بنائے بیٹھے ہونا، باز آ جاؤ اس سے۔"

روحان نے ایک لمحہ لگایا اس کی بات سمجھنے میں۔ جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتا باہر چلا گیا۔

تب ہی گلنار چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی۔

"روحان کہاں ہے؟"

"چلا گیا۔" وہ بے نیاز سی بیٹھی رہی۔

"تم نے روکا نہیں۔" گلنار حیران ہوئی۔

"میں کیسے روکتی۔" وہ فوراً سے معصوم بن گئی۔

digest library.com

"لو، اب تم ہی پی لو چائے۔"

ٹرے میز پر رکھ کر وہ دوبارہ کچن میں چلی گئی۔ کھانے کا انتظام دیکھنا تھا۔

رخشندہ نے اطمینان سے پیالی اٹھائی۔ وہ بے خبر تھی، اس طوفان سے جو آنے والا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"یہ جو تم آہستہ آہستہ قبضے کا پلان بنائے بیٹھے ہو نا، باز آجاؤ اس سے۔"

اب یہ تو وہ واضح کرنا ہی بھول گئی۔

"کس پر قبضے کا۔"

☆☆☆

درمیان کی مانگ نکالے، سر پر تیل چپڑے، آنکھوں پر چشمہ لگائے وہ بھی انیس سو ستر کی دہائی کا۔ سفید کڑکڑاتا کرتا شلوار پہنے، اپنے نسواری اور پیلے پیلے دانتوں کی نمائش کرتا عجیب مخبوط الحواس سا یہ نمونہ انو کے لیے دیدہ دل فرشِ راہ کیے بیٹھا تھا۔

دوسرا نمونہ کچھ اس لحاظ سے بہتر تھا کہ دانتوں کی نمائش نہیں کر رہا تھا۔ تیل نہیں چپڑا ہوا تھا۔ پر بدرنگی جینز پر ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہنے وہ بھی کم عجوبہ نہیں لگ رہا تھا۔

"انو! یہ ہیں وہ رشتے جو عامل کے عمل کے بعد ہمارے گھر تشریف لائے ہیں۔" منو نے کہا۔ "اس سے تو بہتر ہمارے گھر پر وہ اثرات ہی رہتے تو بہتر تھا۔"

مسرت جہاں بھی لڑکوں کو دیکھ کر کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں۔

"ایسے رشتے پر تو اماں کبھی راضی نہ ہوں گی۔"

انو کو کچھ تسلی سی تھی "اور اگر اماں کو آپا جی نے حساب کر کے بتا دیا کہ یہی رشتے ان کی لڑکیوں کے لیے بہترین ہیں تو......؟"

منو نے تصویر کا ایک اور رخ سامنے رکھا۔

"ہاں، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" انو بھی کچھ پریشان ہوئی۔

"چل بیٹا منو! خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"

انو جس وقت چائے کی ٹرے اور منو کھانے پینے، خاطر تواضع کے دیگر لوازمات لے کر بیٹھک میں پہنچیں تب بٹن بھیا لڑکوں سے ان کے کام کی تفصیل پوچھ رہے تھے۔

"جی! میرا یہاں اچھو کے ہوٹل کے پاس پان کا کھوکھا ہے۔" تیل سے چپڑے نمونے نے جواب دیا۔

"اور آپ......؟"

"میں جی گھر میں ہی نسوار اور گٹکے کی پڑیاں بناتا ہوں۔" بدرنگی جینز والے نے جواب دیا۔

انو اور منو چائے اور سموسے وغیرہ رکھ کر ادھر ہی بیٹھ گئیں۔

(خود ہی کچھ کرنا پڑے گا، اماں کا کیا بھروسا)۔

لڑکوں کی والدہ، شکیمن بوا کے کان میں کچھ کھسر پھسر کر رہی تھیں۔

"کیوں پھر ٹھیک ہے نا؟" لڑکوں کی والدہ نے بغیر کسی تکلف کے وہیں اپنے بیٹوں سے — پوچھ لیا۔

دونوں خواہ مخواہ ہی شرمانے لگے۔

"کوئی بات وات کرنی ہے تو کر لو۔" انہوں نے فراخ دلی سے اپنے لڑکوں کو اجازت دی۔

"وہ جی نام تو بتا دیں اپنے۔" تیل والے نمونے نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

منو کے تو تلوؤں سے لگی سر پر بجھی جا کر (یہ شرما کس چکر میں رہا ہے)۔

"میرا نام منور سلطانہ ہے اور یہ میری بہن انور سلطانہ ہے۔"

"ہیں......؟" لڑکے والوں کے تو منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"یہ کیسے نام ہیں؟" ان کی والدہ نے پوچھا۔

"ہمارے گھر پر ہی شروع سے بد اثرات بہت زیادہ ہیں تو ہماری ایک جاننے والی ہیں آپا جی۔ وہ ہماری اماں کو مختلف طرح کے مشورے دیتی رہتی ہیں، حساب کتاب اور عمل وغیرہ کر کے۔ انہوں نے ہی

ہماری اماں کو مشورہ دیا تھا کہ بیٹیوں کے نام مردانہ رکھو گی تو بچیاں ہر طرح کے برے اثرات سے محفوظ رہیں گی تو امید ہے ہم آج بھی صاف بچ جائیں گی۔"

منو نے چھوٹی موٹی سی تقریر جھاڑ دی۔ مسرت خاصی جز بز ہوئیں۔

پر بٹن نے خاصے توصیفی انداز میں بہن کو دیکھا۔

"اچھا، اگر آپ دونوں کو اکیلے میں کوئی بات چیت کرنی ہے تو کر لیں۔" سلیمن بوا نے بٹن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تمام حاضرین محفل نے حیران ہو کر ان کی بات سنی۔

آپ دونوں سے سلیمن بوا کی مراد بٹن اور لڑکے کی والدہ تھیں۔

"یہ بٹن نے اکیلے میں ان سے کیوں بات کرنی ہے۔" مسرت پوچھے بغیر رہ نہ سکیں۔

"بھئی زندگی تو ان لوگوں نے ہی گزارنی ہے نا۔ اچھا ہے کوئی ابہام ہے بھی تو ابھی دور ہو جائے۔" بوا نے وضاحت کی۔

"میں نے ان لڑکوں کی اماں کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔" بٹن نے حیران ہو کر پوچھا۔

"لڑکوں کی اماں......؟ بھائی ہیں یہ دونوں میرے......" خاتون خاصی ناراض ہوئیں۔

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا مسرت! دو بھائی اور ایک بہن ہیں۔ یہی تو ہیں بہن۔ ماں باپ تو کبھی کے فوت ہو گئے ہیں ان کے۔ ان بہن نے ہی بھائیوں کو پالا ہے۔"

"تو بھائیوں کے ساتھ ساتھ خود اپنا بھی رشتہ لے کر آ گئی ہیں۔" منو تو چپ رہ ہی نہ سکتی تھی۔

"مجبوری تھی۔ ماں باپ تو ہیں نہیں ہمارے۔" بزرگ صورت خاتون بولیں۔

(توبہ ہے، اس عمر میں بھی شادی کے ارمان۔ کم از کم بھی پچپن کی تو ہوں گی ہی)۔ انو بے چاری سوچ ہی سکتی تھی۔

"تو پھر رشتہ پکا سمجھیں ہم۔" خاتون دوبارہ بولیں۔

اب کے غش کھا کے گرنے کی باری مسرت جہاں کی تھی۔

☆☆☆

روحان سامان پیک کیے جانے کو تیار کھڑا تھا۔

"ارے، کچھ بتایئے تو سہی آخر ہوا کیا ہے۔"

جتنی دیر وہ سامان پیک کرتا رہا۔ سیف چاچا اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے، پر اس کے ہونٹوں پر لگا قفل ٹوٹنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

"ماسٹر جی کو میرا سلام کہیے گا چاچا۔" وہ اٹیچی کیس اٹھا کر باہر نکلنا ہی چاہتا تھا کہ ماسٹر صاحب سے ٹاکرا ہو گیا۔

"ہیں، یہ کیا؟ کہاں کی تیاری ہے بیٹا؟"

"بس ماسٹر جی، میرا دانہ پانی اتنا ہی تھا یہاں۔" وہ سخت جذباتی ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے سیف؟" وہ سیف چاچا کی جانب گھومے۔

"پتا نہیں ماسٹر صاحب! روحان میاں برتنوں کے کارٹن لے کر اندر گھر میں گئے تھے۔ پھر ہمیں نہیں معلوم کیا ہوا، غصے میں بھرے واپس آئے اور آتے ہی سامان باندھنا شروع کر دیا۔"

"گھر میں تو صرف درخشندہ اور گلنار ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی نے کچھ کہا ہے؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

روحان خاموش رہا۔

"تم یہیں ٹھہرو اور میرے واپس آنے تک قدم نہ نکالنا گھر سے باہر۔"

وہ کہتے ہوئے واپس مڑنے لگے۔ جب روحان نے آواز دے کر روکا۔

"ماسٹر جی!"

وہ واپس مڑے۔ قدم قدم چلتے اس کے قریب ہوئے۔

''وہ ان کا خیال ہے کہ میں آپ کے کارخانے پر قبضہ کرنے کی پلاننگ سے یہاں آیا ہوں۔ مجھے تنبیہہ کر رہی تھیں کہ میں اس قبضے کا پلان دماغ سے نکال دوں۔ میرا خیال ہے، میرا چلا جانا ہی بہتر ہے۔''

وہ سخت ملول دکھ رہا تھا۔

''یہ تم سے گلنار نے کہا ہے؟''

''نہیں، وہ......؟'' چپ ہو گیا۔

''گل رخشندہ نے کہا ہے۔'' ان کی نظریں روحان کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ خاموش رہا۔

''جواب دو مجھے۔''

''جی۔''

''آؤ میرے ساتھ۔'' وہ کہتے ہوئے گھر کی سمت بڑھے۔

''ماسٹر جی! جانے دیجیے۔'' رخشندہ کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوما۔

''میں کہہ رہا ہوں آؤ میرے ساتھ۔''

وہ آگے بڑھ گئے۔

ناچار اسے جاتے ہی بنی۔

☆☆☆

''قسم سے ماہ نور۔ اس سے اچھا موقع ہمیں دوبارہ نہیں ملے گا۔''

''نہیں زری! یہ بہت غلط ہے۔'' ماہ نور نے صاف انکار کیا۔

''تو، جو آپا جی کرتی ہیں وہ ٹھیک ہے۔ اپنے سارے کام سپارہ پڑھنے آنے والے بچوں سے کرواتی ہیں۔ باقی ماندہ جو کام ہیں اس کے لیے ہم مفت کی نوکرانیاں۔ پھر ہمارے ماں باپ سے اتنا اتنا پیسہ وصول کیا ہے۔''

''تو پیسہ تو قرآن، حدیث پڑھانے کا لیا ہے وہ تو پڑھا ہی رہی ہیں نا۔''

''اور جو لوٹ مار کا بازار وہ بے چاری سادہ لوح عورتوں کے ساتھ گرم کرتی ہیں۔ الٹی سیدھی پتا نہیں کون کون سی لکیریں خالی کاغذ پر کھینچ کر لوگوں کو بے وقوف بناتی ہیں کہ حساب کر رہی ہوں اور پھر وہ جو جن آنے کا ناٹک کرتی ہیں۔ ایمان سے ماہ نور! اگر کبھی کوئی سچ مچ کا جن آجائے نا تو آپا جی تو بعد میں بھاگیں گی، پہلے جن اس موٹی کالی بھتنی کو دیکھ کر چیخیں مارتا ہوا بھاگ جائے گا۔'' بات مکمل کر کے زری نے خود ہی ٹھٹھا لگایا۔

''تم جو بھی کہو۔ میں اس ناٹک کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔''

ماہ نور کسی صورت راضی نہیں ہو رہی تھی اور اکیلے تو زری یہ ایڈونچر کر ہی نہیں سکتی تھی۔

''دیکھو ماہ نور! صرف تمہاری خاطر، گھر سے اتنی دور آکر میں نے آپا جی کے مدرسے میں داخلہ لیا ہے۔''

زری نے اب اس کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی۔ جذباتی سی تقریر کر کے۔

''ہاں، پاؤں پڑی تھی نا میں تمہارے۔'' ماہ نور جل کر بولی۔

''میں نے صرف تم سے بات کی تھی کہ میں حدیث کا کورس کرنے جا رہی ہوں، تم خود اپنے ابا کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔ پھر ان کو منوا کر ہی دم لیا۔''

ماہ نور نے مزید یاد کروایا۔

''ہاں تو تمہارے بغیر کیا کرتی وہاں۔ ایک ہی تو دوست ہو تم میری۔ تمہیں وہاں سے آنے دیتی اکیلے تو، میں کیا کرتی۔'' زری روٹھی ہوئی۔

''آخر تکلیف کیا ہے تمہیں، میری تو سمجھ میں نہیں آرہا۔''

''ہم جو پڑھنے آئے ہیں، پڑھ رہے ہیں، سیکھ رہے ہیں۔ باقی آپا جی جو کچھ کرتی ہیں وہ ان کا اپنا فعل ہے۔ ہم سے ان کے بارے میں باز پرس نہیں کی جائے گی۔''

ماہ نور اب زری کو سمجھا رہی تھی۔

''ہاں، خاک سیکھ رہے ہیں۔ مجھے تو اس عورت

کی کوئی بات دل میں اترتی محسوس ہی نہیں ہوتی۔ جس کے اپنے قول و فعل میں اتنا تضاد ہے۔ لوگوں کو قرآن حدیث سکھاتی ہے اور خود تعویذ، دھاگے، عمل پتا نہیں کیا کیا فراڈ کرتی رہتی ہے لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لیے۔ ہاں، پیسہ کمانا میں بہت اچھے سے سیکھ گئی ہوں۔ گھر جا کر ایک خانقاہ بنا کر میں بھی بیٹھ جاؤں گی۔ سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنانے۔"

زری دل کا غبار نکال رہی تھی۔

"بری بات زری!" ماہ نور نے نرمی سے کہا۔

"پلیز ماہ نور......!"

"ایک ایڈونچر کرنے دو۔ پھر اس کے بعد کبھی تم سے اس کی کوئی فرمائش نہیں کروں گی۔ صرف ایک تھرل۔" وہ لجاجت سے بولی۔

"زری......!"

"ہوں۔" وہ متوجہ ہوئی۔

"میں نے تو ایف اے کے بعد پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ تم نے تو بی۔ اے کیا ہے۔ اس میں اسلامیات لازمی کے ساتھ ساتھ اختیاری بھی پڑھی ہے۔ تم بتاؤ، ہمارا مذہب ہمیں ایسے ایڈونچر کی اجازت دیتا ہے۔"

ماہ نور نے سیدھے سیدھے سوال کیا۔

"یہاں آنا، میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ اس سے بہتر تھا میں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیتی، ایم اے اسلامیات کے لیے۔ تمہاری وجہ سے خوار ہو رہی ہوں۔" وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

ماہ نور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

"زری! اگر اس دوران آپا جی آ گئیں تو؟" ماہ نور اس کا ناراض اور پھولا ہوا منہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"نہیں آئیں گی وہ شام سے پہلے، کہہ کر تو گئی ہیں۔"

"پلیز پلیز ماہ نور! صرف کسی ایک مریدنی کے ساتھ۔ باقی سب کو آپا جی کی ہدایت کے مطابق بتا دیں گے کہ وہ کام سے گئی ہیں اور اگر اس ایک مریدنی کی ملاقات باقی کسی عورت سے ہو گئی تو پھر......؟"

"اف......اف، ماہ نور! تم میری طرف ہو یا ان مریدنیوں کی طرف، جو روز روز بے وقوف بننے چلی آتی ہیں۔"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے زری! اگر آپا جی کو پتا چل گیا تو زمین آسمان ایک کر دیں گی۔" وہ ابھی بھی تذبذب کا شکار تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا۔" اس کے بعد ایک ہمت بندھاتی ہوئی تقریر زری کو کرنا پڑی اور ماہ نور بڑے دل کے ساتھ ہی مگر راضی ہو چکی تھی۔

☆☆☆

ماسٹر جی اسے ساتھ لیے گھر کے اندر چلے آئے۔

گلنار کی نظر ان دونوں پر پڑی۔ کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا اسے۔

"السلام علیکم ابا میاں!" اس نے سلام کر کے ابا کے پیچھے کھڑے روحان کو دیکھا جو سر جھکائے کھڑا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ رخشی کہاں ہے؟"

"اندر کمرے میں ہوگی۔"

"روحان! تم چائے پیے بغیر کیوں چلے گئے تھے؟" ابا کو جواب دے کر اب وہ روحان سے مخاطب تھی۔

"چائے پینے ہی واپس آیا ہے۔ تم چائے بنا کر بیٹھک میں بھجواؤ اور رخشندہ کو بھی بھیج دو۔" ابا میاں حد سے زیادہ سنجیدہ تھے۔

رخشندہ کو بھیجنے والی بات پر گل نار چونکی۔

اسے پہلے ہی رخشی پر شک ہو رہا تھا۔ جواب یقین میں بدل چکا تھا۔

کوئی نہ کوئی بات تو ضرور تھی ورنہ ابا میاں روحان کے سامنے کم سے کم رخشی کو نہیں بلوا سکتے تھے۔

جب گلنار چائے لے کر بیٹھک میں پہنچی تو حالات خاصے مخدوش تھے۔ رخشی رو رو کر صفائیاں پیش کر رہی تھی۔

"میں نے کارخانے کا ذکر بھی نہیں کیا۔ بولو نا۔

digest library.com

خاموش کیوں ہو۔ میں نے کب کارخانے کا نام لیا تھا۔"

نام تو اس نے واقعی کارخانے کا نہیں لیا تھا۔

روحان کی اپنی پوزیشن خاصی آکورڈ ہورہی تھی۔ اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ بات کی وضاحت کیسے کرے۔

"لیکن آپ نے قبضے کی بات تو کی تھی نا؟"

عین وقت پر روحان کی یادداشت ساتھ دے گئی۔

"ہاں تو کارخانے پر قبضے کی بات تھوڑی کی تھی میں نے، میں تو ابا میاں پر قبضے کی بات کررہی تھی۔"

روتے روتے ہچکیاں سی بندھ گئی تھیں۔

اس کی بات پر روحان، ماسٹر جی، گلنار سب ہی ہکا بکا رہ گئے۔

"آپ ماسٹر جی پر قبضے کی بات کررہی تھیں؟"

روحان نے تصدیق کے لیے سوال دوبارہ پوچھا۔

رخشندہ نے زور زور سے سر ہلایا۔

"اور نہیں تو کیا۔ جب سے تم آئے ہو۔ ابا میاں کو میں نظر ہی نہیں آتی۔ بس روحان، روحان کرتے رہتے ہیں ہر وقت۔" رخشندہ نے دوپٹا کا کنارہ ہاتھ میں لے کر اس سے آنسو صاف کیے۔

"اف اللہ......!" ماسٹر جی سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"میری بے وقوف، نادان بچی۔"

روحان بغیر کچھ کہے واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

"پہلے میرا لڈن چلا گیا۔ پھر لڈن کے ابا، پیچھے پیچھے بیٹے کے پاس گئے۔ پھر کاروبار ہر بار نقصان کی نذر ہوتا رہا۔ اب رشتوں کے سلسلے میں کسی نے بندش کروادی ہے۔ کتنے ہی عمل کروالوں۔ میرے گھر سے اثرات بد ختم نہ ہوں گے۔"

مسرت جہاں روتے ہوئے بولتی جارہی تھیں۔

"اور وہ جو ہمارے دشمن ہیں۔ وہ خوشیوں کے جھولے جھول رہے ہیں۔ ان کی کالی سیاہ لڑکی کی نیا بھی پار لگ گئی۔ ہماری دودھ، شہد رنگت والیوں کے بھی نصیب نہیں کھلتے۔"

مسرت جہاں کی دہائیاں اب بین بنتی جارہی تھیں۔

بات کیا تھی۔ صرف اتنی کہ برابر والے گھر یعنی صائمہ چچی (چچا تو کبھی کے اللہ کو پیارے ہوگئے) کے گھر سے دو دو خوش خبریوں کی مٹھائی آئی تھی۔

بیٹے نے انجینئرنگ پاس کرلی۔ بیٹی کا رشتہ طے پا گیا۔ معلوم نہیں مسرت جہاں کو زیادہ دکھ کس بات کا تھا۔ ماہم (صائمہ چچی کی کالی کلوٹی بیٹی) کا رشتہ طے ہونے کا یا اپنی گوری چٹی بیٹیوں کے رشتے نہ ہونے کا۔

ارشد کے (صائمہ چچی کا لائق فائق بیٹا) پڑھ لکھ کر کسی قابل ہونے کا۔

یا......

بٹن کی تعلیم ادھوری رہ جانے کا۔

انہیں خود اپنے غم سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔

منو کن انکھیوں سے بھیا کو دیکھ رہی تھی۔ جو پلیٹ سے تیسری برفی اٹھا کر کھارہا تھا۔

(ہائے اللہ! بھیا کیسے ماہم کے رشتے کی مٹھائی کھائے جارہا ہے۔ کہیں صدمے سے دماغ تو نہیں الٹ گیا۔)

"یہ غم مجھے اپنے ساتھ قبر میں لے جائیں گے۔ یہ مجھے جینے نہیں دیں گے۔"

مسرت جہاں کی آنکھیں رو رو کر سوج گئی تھیں۔

"اماں! آخر آپ کو غم کس بات کا ہے؟" بٹن نے جب یہ سوال پوچھتے ہوئے برفی کا چوتھا ٹکڑا اٹھایا تو منو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

"بھیا! آخر تمہیں اتنی خوشی کس بات کی ہے جو یوں ندیدوں کی طرح مٹھائی پر ٹوٹ کر پڑ رہے ہو۔"

"مجھے...... آج دو، دو خوشیاں ملی ہیں۔" اس نے بھرے ہوئے منہ کے ساتھ جملہ مکمل کیا۔

مسرت جہاں رونا بھول بھال کر بٹن کی بات

digest library.com

سن رہی تھیں۔

"بٹن! میرے دشمن کی خوشیاں، تمہارے لیے خوشیاں ہیں اور تم مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ اماں! تم کو غم کس بات کا ہے۔ واہ، میرے بیٹے واہ۔ تم نے تو خوب دودھ کا حق ادا کیا۔" وہ طنز سے گویا ہوئیں۔

"میری خوشیاں ہرگز آپ کے دشمن کی خوشیوں سے تال میل نہیں کھاتیں اماں! میرے پاس خوش ہونے کی وجوہات بالکل مختلف ہیں اور وہ میں بعد میں بتاؤں گا۔"

(ہائے۔ بے چارے کا دماغ واقعی الٹ گیا ہے۔ ماہم کے رشتے کا صدمہ دل پر لے لیا ہے۔)

"پہلے ہم آپ کے غموں پر بات کریں گے۔ آج آپ مجھے بتا ہی دو کہ آخر آپ کو اصل غم ہے کس چیز کا؟"

"بھیا! اماں پہلے ہی اتنی پریشان ہیں۔ آپ ان کو مزید پریشان کر رہے ہو۔" انو کو ماں کی پریشانی بری طرح بے چین کر رہی تھی۔ اوپر سے بھیا کا اطمینان۔

"آپ کو نہیں پتا اماں کے غم؟" اس نے الٹا بھائی سے پوچھا۔

"میں اماں کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔"

"میرا جوان بیٹا لوگوں کی بدنظروں نے نگل لیا۔" وہ دکھ اور تنفر سے بولیں۔

"اس کی موت آئی تھی۔ وہ ایکسیڈنٹ میں مرا تھا۔ اس کی موت کا کسی نظر بد سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"میرا اتنا لائق فائق بچہ......" وہ لڈن کو یاد کر کے نئے سرے سے رونے لگیں۔

"کالج جانے کے لیے گھر سے نکلا، پھر کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔" وہ پھپھک پھپھک کر رونے لگیں۔

انو اور منو کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

(ان کا اتنا پیارا بھائی۔) بٹن نے تھوڑی دیر ان کا غبار نکلنے کا انتظار کیا۔

"دشمن نے بدعملیات کر کے میرے بچے کی جان لے لی۔"

ان کا بیٹا دشمنوں کے بدعملیات کی وجہ سے مر گیا۔ وہ اپنے اس موقف سے انچ بھر پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔

"وہ اپنی آئی پر مر گیا۔ مان لیں اس بات کو۔ مگر اس کے بعد جو آپ نے دشمنی کی ہم لوگوں کے ساتھ۔"

"میں نے......؟" وہ رونا بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"میں نے کیا کیا......؟"

"آپ کو پتا ہی نہیں ہے۔ آپ نے کیا کیا۔" وہ دکھ سے بولا۔

"مجھے میٹرک کے بعد پڑھنے نہیں دیا۔ انو کو آٹھویں سے اسکول چھڑا دیا۔ منو کو چھٹی سے اسکول چھڑوا دیا۔ اب ان لوگوں کے لیے پان کے کھوکے اور نسوار گٹکے والوں کے رشتے نہ آئیں تو کیسے رشتے آئیں۔"

"میں نے تم لوگوں کے بھلے کے لیے کیا۔ جو بھی کیا۔ اگر میں یہ سب نہ کرتی تو ایک ایک کر کے تم سب بھی وہیں چلتے جاتے جہاں لڈن......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر سسکنے لگیں۔

"آپ کو جب بھی، جو کچھ آپ کی ان آپا جی نے کہا۔ آپ مانتی چلی گئیں۔ انہوں نے کہا۔ صائمہ چچی آپ پر اور ہم پر تعویذ دھاگے کراتی ہیں۔ آپ نے مان لیا۔ وہ بیوہ عورت جس کے گھر کا راشن پانی ابا کے دم سے چل رہا تھا۔ وہ یہ سب کیوں کرتی؟ آپ نے گھر کے درمیان دیوار اٹھوا دی۔ یہ سوچے بغیر کہ اب اس کے گھر کا خرچا پانی کیسے پورا ہو گا۔ وہ تین چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ زندگی کیسے گزارے گی۔"

"اس کی زندگی تو پھر بھی ہم سے بہتر ہی رہی۔" مسرت جہاں کی آواز صدمے سے چور تھی۔

"کیوں کہ نظام چلانے والی ذات اللہ کی ہے۔ میں آپ یا وہ تعویذ والی آپا جی دنیا کا نظام نہیں

چلارہے۔ انہوں نے محنت مزدوری کرکے بچوں کو کسی نہ کسی مقام پر پہنچا دیا۔ اور آپ، آپ نے کیا کیا۔ اپنی اولاد کے ساتھ۔"

وہ آج کسی صورت بحث ترک کرنے پر تیار نہیں تھا۔

"ابا میاں، مجھے کالج کے لیے لے کر نکلنے لگے تو آپ نے مٹی کا تیل چھڑک لیا خود پر کہ اگر اب پڑھنے پڑھانے کی بات ہوئی تو جان دے دوں گی۔ ہمارے لیے تو زندگی کی خوشیوں کا ہر دروازہ آپ نے خود بند کیا۔ پھر، اب شکوہ کس بات کا......؟" وہ سانس لینے کو رکا۔

"میں، تھی، میری وجہ سے جان بچ گئی تم لوگوں کی۔ نہیں تو کوئی بھی زندہ نہ رہتا۔" وہ چلائیں۔

"تو پھر ابا کیوں مر گئے......؟ ان کو بھی زندہ رہنا چاہیے تھا نا۔ آپ کے حفاظتی انتظامات کیوں ناکام ہو گئے۔ جن سے صائمہ چچی کو جاتا تھا۔ وہ آپ نے بہانے بہانے سے آپا جی کی نذر کرنا شروع کر دیا۔ تو پھر فائدے میں کون رہا......؟ کبھی سوچا آپ نے؟"

وہ میز کو پاؤں کی ٹھوکر سے الٹا باہر نکل گیا۔ کئی سال کا غبار تھا جو آخر نکل ہی گیا۔

☆☆☆

آخر کار ان کا انتظار ختم ہوا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

زری، ماہ نور کو اشارہ کرتی ہوئی کمرے میں بھاگ گئی۔ ماہ نور نے دروازہ کھولا۔

"وہ، آپا جی سے ملنا تھا۔"

ان کی کوئی عقیدت مند، دروازے پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔ زری نے اگربتیاں جلاتے ہوئے اس کی آواز سنی۔

"وہ، آپا جی تو چلہ کاٹ رہی ہیں۔" ماہ نور کی آواز بھی بخوبی اس کے کانوں تک پہنچی۔

"اچھا، میں انتظار کر لیتی ہوں۔"

وہ عورت غالباً صحن میں آ چکی تھی۔

وہ آپا جی کہہ رہی ہیں کہ اگر کوئی بہت ہی مجبوری ہو تو اندر لے آنا۔ چلے کے دوران ہی اس کی مشکل حل کرنے کی کوشش کروں گی۔" ماہ نور کو پسینہ آ گیا۔

یہ جھوٹ بولتے ہوئے، ماہ نور پسینے پسینے ہو گئی۔

"ہاں، ہاں مجھے لے چلو۔ بڑی سخت مجبوری میں آئی ہوں۔" وہ عورت تو گویا ماہ نور کے پاؤں پڑنے والی ہو گئی۔

"اچھا چلو......" وہ خاتون بہت ادب سے جوتیاں باہر اتار کر، سر کو جھکا کر کمرے کے اندر داخل ہوئیں۔

اندر آپا جی بڑی سی بیڈ شیٹ اپنے اوپر گرائے۔ کھڑے ہو کر گول گول چکر کاٹ رہی تھیں۔

"بہت جلالی وظیفہ ہے۔ ایک طرف بیٹھ جائیں۔ اثر الٹا ہو گیا تو نقصان بھی ہو سکتا ہے۔"

خاتون جلدی سے دیوار کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئیں۔

اب کے آپا جی تیورا کے نیچے گر پڑیں۔ (اف چکر آ گئے۔)

خاتون کبھی نظریں جھکاتیں، کبھی اٹھاتیں۔

ذرا ان کے سر کو قرار آیا۔ تو چادر سے ایک ہاتھ باہر نکال کر ایک ٹافی اچھالی۔

"یہ، کھا لیں اور دیکھیں صرف چوسنی ہے۔ توڑ کر کھانی نہیں ہے۔" ماہ نور نے ہدایات دیں۔

خاتون نے جھک کر بہت احتیاط سے اس کا کاغذ کھولا۔ ٹافی کو آنکھوں سے لگایا۔ چوما اور پھر منہ میں ڈال لیا۔

اس کے بعد کاغذ کو احتیاط سے اپنا بٹوہ کھول کر اس کی اندرونی تہہ میں رکھ لیا۔

ماہ نور بہت دھیان سے اس کی حرکات کا جائزہ لے رہی تھی۔ چند سیکنڈ سانس لینے کے بعد۔

چادر کے اندر سے باہر آتے آپا جی کے ہاتھ نے ایک پھول باہر پھینکا۔ ان خاتون نے لپک کر وہ

digest library.com

پھول اٹھایا۔ آنکھوں سے لگایا۔

"آپا جی کے پھول پھینکنے کا مطلب ہے۔ اپنا نام اور مسئلہ بتائیں۔"

وہ عورت صغریٰ بی بی فرفر بولنا شروع ہوگئی۔

اپنے سسرال کے مظالم کی ساری داستان چند جملوں میں سمیٹ لی۔

وہ خاموش ہوئی تو چادر کے اندر سے ایک پرچا باہر آکر گرا۔ عورت نے جلدی سے بڑھ کر پرچہ اٹھا لیا۔ مگر خالی دیکھ کر مایوس ہوگئی۔

"اس پرچے کا مطلب ہے۔ بٹوے میں جو کچھ بھی ہے۔ نکال کر وہ ادھر کارنس پر رکھ دیں۔"

صغریٰ بی بی نے جلدی سے بٹوہ کھول کر سو، سو کے دو نوٹ نکال کر مطلوبہ مقام تک پہنچا دیے۔

اونہہ صرف دو سو۔ زری نے چادر کے اندر سے ہی دو سرخ نوٹوں کی جھلک دیکھ لی تھی۔

(اتنی محنت اور یہ حاصل صرف دو سو) دفع دور۔

اس کے بعد جو آخری چیز آپا جی نے چادر سے نکال کر باہر پھینکی وہ ماچس تھی۔ (اب مزید کوئی چیز نہیں رہ گئی تھی پاس۔)

"اس کا مطلب ہے۔ آپ کو ستانے والے جل کر راکھ ہوجائیں گے۔"

"ہائے میرے اللہ!" صغریٰ بی بی دہل گئی۔

"میرا میاں بھی......؟"

"نہیں، نہیں میاں کے علاوہ باقی سب۔" ماہ نور نے اس کے تاثرات دیکھ کر بات سنبھالی۔

"اچھا......" اس نے اطمینان کی سانس لی۔

اس کے ساتھ ہی۔ آپا جی نے اٹھ کر کمرے میں دوبارہ گول گول چکر کاٹنے شروع کردیے۔ دل تو گانا، گانے کو بھی چاہ رہا تھا۔ پر موقع محل مناسب نہیں تھا۔ "اب آپ چلی جائیں۔"

"اس چاند کی آخری جمعرات کو آپ کے سارے دشمن جل کر مر جائیں گے۔" ماہ نور نے آخری بات کرکے دروازہ کھول دیا۔

عورت الٹے قدموں چلتی باہر نکل گئی۔

ماہ نور نے اس کے جانے کے بعد اچھی طرح تسلی کرکے دروازہ بند کرکے زری کو آواز دی۔

"زری، زری......او، زری! باہر آجا۔"

زری منہ بناتی باہر آگئی۔

"اتنی محنت اور صرف دو سو روپے۔" اس کی شکل کے زاویے ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔

"چلو، تمہارا ایڈونچر کا شوق تو پورا ہوا۔"

"کہاں......مزہ ہی نہیں آیا......ایک، دو لوگ اور آجائیں تو پھر کچھ تسلی ہوگی میری۔"

تب ہی دروازہ پھر زور و شور سے بجا۔

"میں جانتی ہوں۔ ذرا مجھے تیاری کرلینے دینا پھر اندر لے کر آنا۔"

زری اسے ہدایات دے کر۔ دوبارہ سے اندر غائب ہوگئی۔ ادھر دروازہ بجانے والی کو چین نہیں تھا۔

ماہ نور نے چٹخنی گرائی......

اور دروازہ بجانے والی اور اس کے پیچھے والی دونوں ہی کو دیکھ کر اس کی سٹی گم ہوئی۔

☆☆☆

بارات والے دن وہ صبح سے ہی گھن چکر بنا ہوا تھا۔ ماسٹر جی کو بیٹے کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔

باراتیں رخصت ہونے کو تھیں۔ جب مہمانوں کو دیکھتے دیکھتے نادانستہ ۔ وہ گل رخشندہ سے ٹکرا گیا۔

"اندھے ہوگیا......؟ دیکھ کر نہیں چل سکتے۔"

وہ ایک دم ہی اس پر چڑھ دوڑی۔

(توبہ، اس لڑکی کا بس چلے تو مجھے چیر پھاڑ کر کھا جائے)

"صرف اندھا نہیں ہوں۔ بہرا بھی ہوں۔ آپ کے ہونٹ ہلتے دکھائی دے رہے ہیں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا کیا بول رہی ہیں۔"

"یہ صرف تمہاری آنکھوں اور کانوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ دماغی مسئلہ بھی ہے۔"

"جی، ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

(آپ کو دیکھ کر دل دماغ سب کچھ بہکنے لگتا ہے۔)

اس سے پہلے کہ رخشی واپسی کے لیے مڑتی۔ گلنار آپا کی نند اس کے برابر آ کر کھڑی ہو گئیں۔ واپسی سے روحان کو دیکھا۔

''ارے گل رخشندہ، تعارف تو کراؤ۔ یہ کون ہیں؟''

''جی، یہ......!'' رخشندہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ کیا تعارف کرائے۔

''میں روحان ہوں۔ ایک نواز صاحب میرے استاد بھی ہیں اور میرے والد صاحب کے دوست بھی۔'' روحان نے رخشی کو مشکل سے نکالا۔

''اچھا، تو انکل کے دوست کا بیٹا ہے۔ جس طرح آپ لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مجھے لگا کہ......''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر ان دونوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھتی مڑ گئی۔

رخشی تو بس بل کھاتی رہ گئی اس کی بات پر اور روحان کا دھیان ایک ہی لفظ میں اٹک گیا۔

''خوش گپیوں۔''

☆☆☆

''ماسٹر جی! مجھے یہ جو سرخ اینٹوں والا فرش ہے نا، یہ بہت پسند ہے۔''

یونہی، کبھی، کسی دھیان میں ماسٹر صاحب سے کہہ دیا تھا۔

وہ بھول گیا۔ ماسٹر صاحب نہیں بھولے۔ سارا گھر رینوویٹ کروالیا۔ ان سرخ اینٹوں کو نہیں چھیڑا۔

''روحان میاں! آپ تو ایسے گئے کہ ہر ناتا، ہر تعلق ہی توڑ گئے۔ کبھی کبھار فون، ملاقات کچھ تو پاس رکھتے۔'' سیف چاچا نے شکوہ کیا۔

ماسٹر جی خاموش رہے۔

ان کی خاموشی روحان کو سیف چاچا کے شکوے سے زیادہ کھلی۔

''اب آ گئے ہیں تو واپس جانے کی بات نہ کیجیے گا۔ آپ کی جگہ، آج بھی خالی ہے۔''

روحان کی نظر یونہی بے دھیانی میں بھٹکتی ہوئی پچن کی اس کھڑکی سے ٹکرائی۔

وہ مخصوص وقت پر پودوں کو پانی دینے آتی۔

روحان نے رمضان میں افطار کے وقت کی طرح اس کی آمد کا حساب رکھا ہوا تھا۔

وہ باغ میں پہنچتی، وہ تھوڑی سی کھڑکی غیر محسوس انداز سے کھول دیتا۔ کھڑکی میں جھری سی بن جاتی۔

وہ، اس تازہ گلاب سی لڑکی کو چوری چھپے تکتا رہتا۔ تب تک جب تک وہ چلی نہ جاتی۔

کئی برس خاموش خاموش سرک گئے۔

ماسٹر جی نے اردو کی جو محبت دل میں ڈالی، پھر کوئی مضمون نظر میں جچا ہی نہیں۔ اردو کو ہی اوڑھنا کر لیا، اردو کو ہی بچھونا کر لیا۔

وہ اس پر شاعری کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے لیے غزلیں کہنا چاہتا تھا۔ کبھی کہہ نہ پایا۔

بس دماغ نثر میں ہی چلتا رہا۔ شاعری اس کے بس کا روگ نہیں اس نے مان لیا۔

ایم اے اردو وہ کر چکا تھا۔

لیکن منزل ابھی بھی دور تھی۔ اسے اردو کا ڈاکٹر بننا تھا۔ اردو میں پی ایچ ڈی کرنا تھی۔ ابا میاں کا انتقال ہو گیا۔ گھر میں کوئی مرد نہ رہا۔ اسے واپس لوٹنا پڑا۔ لیکن جانے سے پہلے، وہ اس سے اجازت لینا چاہتا تھا۔

''سنو گل!'' اب اس نے ڈر کر مڑنا چھوڑ دیا تھا۔ بات آپ سے تم تک آ پہنچی تھی۔

بات ابھی بھی یک طرفہ نہیں رہی تھی۔ یہ روحان کو لگتا تھا۔

''پورا نام لیا کرو میرا۔'' آواز سے تنتنا وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہوتا جا رہا تھا۔

''مجھے تو ''گل'' ہی تمہارا نام پورا بھی لگتا ہے۔ مکمل بھی۔''

وہ چپ چاپ گلاب کے پودوں کو پانی دیتی رہی۔

''وہ مجھے کہتا تھا کہ کیوں نہ ہم ماسٹر جی کو مل جل کر ''اپنا'' تسلیم کر لیں۔''

''وہ میرے اپنے ہی ہیں۔'' اس کی بے نیازی

digest library.com

میں کوئی فرق نہ آیا۔

"نہیں میرا اپنا بھی کردو، ہمیشہ کے لیے۔"

"آگے کچھ مت کہنا روحان! ایک لفظ بھی نہیں۔ تم پورے کے پورے ماسٹر جی لے لو۔"

"تم اور اتنی فراخ دل۔" وہ حیران ہوا۔

"اس سے پہلے کہ تم مجھ سے کچھ کہو، میری بات سن لو۔" وہ جان گئی تھی۔ وہ اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔

"سن رہا ہوں۔ بولو۔"

صرف ایک پل کے لیے اس نے اپنی لمبی پلکیں اٹھا کر، روحان کا چہرہ دیکھا۔ پھر نظریں جھکالیں۔

"میری نسبت، بچپن ہی سے میرے چچا زاد سے طے ہے۔ اس عید کے چاند میری شادی ہے۔ مجھے تو یوں بھی چلے ہی جانا ہے۔ تم پورے کے پورے ماسٹر جی لے لو۔"

اس کا لہجہ نم تھا نہ آنکھیں۔ پھر جانے کیوں ہر چیز روحان کو بھیگی بھیگی سی محسوس ہوئی۔

وہ پورے ماسٹر جی اسے سونپ گئی تھی۔

اور وہ ایسا گیا، پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔

☆☆☆

"مجھے لگا تھا، تم ماہم میں دلچسپی رکھتے ہو۔" منو کو یہ پہیلی حل تو کرنا ہی تھی سو صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"وہ تمہیں ایسا کیوں لگا؟" بٹن صوفے پر لیٹا موبائل پر گیم کھیل رہا تھا۔

"تم اس کو روپے دیتے تھے۔"

"وہ تو تم بھی دیتی تھیں۔"

"مجھے تو ابا میاں کا خیال رہتا تھا۔" منو نے صفائی پیش کی۔

"ابا میاں کا خیال رہتا تھا تب ہی اپنی سونے کی زنجیر بیچ کر اسے روپے تھمادیے۔"

"اس کا داخلہ جانا تھا۔ جو زیور میں نہ حاصل کر سکی۔ میں نہیں چاہتی تھی وہ بھی محروم رہے۔"

"اور تم نے تین بار کاروبار والے روپے اسے دیے۔ کیوں......؟"

"ارشد کے سمسٹر کی فیس جانی تھی۔ صائمہ چاچی کی محنت اور ابا میاں سے کیا وعدہ مجبور کردیتا تھا۔ ابا میاں نے کہا تھا، جیسے بھی ممکن ہو ان کی مدد کرنا۔ وہ کبھی سوال کریں تو انکار نہ کرنا۔"

"اچھا، تو ایسا تھا۔ میں کچھ اور سمجھتی رہی۔"

"پاگل ہو تم۔"

"اچھا وہ جو خوش خبریاں سنانی تھیں تم نے......"

"میری سرکاری نوکری ہوگئی ہے۔ اور......"

"ایک منٹ، ایک منٹ، سرکاری نوکری کیسے اور کہاں ہوگئی بٹن بھیا۔"

"کالج میں اردو کا لیکچرار لگ گیا ہوں۔"

"میٹرک پاس لیکچرار......" وہ زور سے ہنسی۔

"اچھا لطیفہ ہے۔"

"تمہیں پی ایچ ڈی۔ رزلٹ ویٹنگ لیکچرار۔"

"کیا مطلب......؟" وہ حیران ہوئی۔

"مطلب، وطلب بعد میں۔" پہلے یہ دیکھو، دوسری خوش خبری۔"

کہتے ہوئے اس نے تکیے کے نیچے سے کتاب نکال کر اس کے سامنے کی۔

"یہ کیا؟"

"میری کتاب آگئی ہے۔ مارکیٹ میں۔"

"دکھاؤ......"

"محبت گلاب سی۔" اس نے کتاب کا نام پڑھا۔ "مصنف روحان قریشی۔"

"ارے بٹن بھیا یہ تو تم ہو۔ تصویر بھی تمہاری ہی ہے۔ یہ معجزہ کیوں کر ہوا؟"

وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

"ابا میاں، جب مجھے یہاں سے کارخانے میں نوکر کروانے لے کر گئے تھے نا تو تب ہی اپنے دوست کو کہہ دیا تھا۔ اس کو خوب پڑھنا ہے۔ سو اس کو پڑھانا تمہاری ذمہ داری۔"

"اتنی پڑھائی کر لی اور کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔"

"خبر ہو جاتی تو پھر پڑھائی نہ ہوتی۔"

منو نے سر ہلایا۔

"تو پھر اماں کو یہ خوش خبری کب دو گے؟"

"بہت جلد۔" اس نے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

اندر آنے والی آپا جی تھیں اور ان کے ساتھ دوسری ہستی صغریٰ بی بی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ حسب توقع تھا۔

زری اور ماہ نور کے والدین کو فوراً سے پیش تر ان کو لے جانے کا کہا گیا۔

"آپا جی کا تو پتا نہیں، پر میں نے اور ماہ نور نے تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ جان چھوٹ گئی ہماری۔"

وہ سیف چاچا کو تفصیل سنا رہی تھی جو لفظ بہ لفظ روحان نے سنی۔

گاڑی روحان چلا رہا تھا۔ جس میں سیف چاچا بھی یعنی زرین رانی کو لینے گئے تھے۔

"رانی!" روحان نے اسے مخاطب کیا۔

"جی روحان بھائی۔"

"یہ جو تمہاری آپا جی ہیں۔ یہ تو ہمارے علاقے میں رہتی ہیں۔ کیا تم نے کبھی مسرت جہاں نامی کسی خاتون کو وہاں آتے جاتے پایا؟"

"لو...... وہ تو ہر وقت ہی آتی جاتی رہتی تھیں۔ آپا جی کے گھر کے آدھے خرچے ان کی دی ہوئی رقم سے چلتے تھے۔"

روحان کا پاؤں ایک دم ہی بریک پر جا پڑا۔

"کیا تم آپا جی کے فراڈ کی ساری تفصیل میری والدہ یعنی مسرت جہاں کے سامنے دہرا سکتی ہو۔"

"بالکل دہرا سکتی ہوں بلکہ میں تو شغل شغل میں کافی کچھ ریکارڈ بھی کر لیتی تھی۔ وہ ریکارڈنگز تک دکھا سکتی ہوں۔ میں کسی سے ڈرتی تھوڑا ہی ہوں اور وہ بھی بہت اچھی طرح پہچانتی ہیں مجھے۔"

"ٹھیک ہے پھر۔ چلو پہلے میرے گھر چلتے ہیں۔"

☆☆☆

"یہ گل رخشندہ آئی ہوئی ہیں آج کل۔" اس نے اتنے سرسری انداز میں پوچھا کہ خود اس کو بھی شک ہوا کہ واقعی وہ رخشی کا ہی ذکر کر رہا ہے۔

"وہ کہاں گئی تھیں جو آئی ہوئی ہیں؟" سیف چاچا حیران ہوئے۔

"اپنے میاں کے گھر اور کہاں۔" روحان ان کی حیرانی پر حیران تھا۔

"کون سے میاں کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"کتنے بہت سے میاں ہیں ان کے؟" روحان ان سے بھی زیادہ حیران تھا۔

"ان کی شادی ہونا تھی نا عید کے چاند۔"

"کون سے عید کے چاند؟" سیف چاچا واقعی بوڑھے ہو گئے تھے۔

"اسی عید کے چاند۔ جب میں یہاں سے گیا تھا۔ ان کی نسبت بچپن سے طے تھی نا اپنے چچا زاد سے۔"

روحان نے یاد کروایا۔

"ارے اس لڑکے کو تو کوئی اور لڑکی بھا گئی۔ وہاں کر لی اس نے شادی۔"

"کیا واقعی؟" دل میں ایسے لڈو پھوٹے۔ یہ خبر سن کر کہ اس نے خود کو تصور میں خود ہی "موٹا لڈو" کہہ ڈالا۔

☆☆☆

وہ پودوں کو پانی دے رہی تھی۔

"سنو گل!" وہ ہنوز بے نیازی سے پانی دیتی رہی۔ "میں تم سے بات کر رہا ہوں۔"

(ایسے، جیسے یہ چار برس درمیان میں آئے ہی نہیں۔)

"میں کانوں سے سنتی ہوں۔" بغیر مڑے بولی۔

"میں دل سے سنتا ہوں اور دل کی سنتا ہوں۔"

"تو پھر چپ کر کے سنتے رہو۔"

"چار سال تک چپ کر کے سنتا ہی رہا ہوں۔ اب بولنے کی باری ہے۔

تم مجھ سے خفا ہو کہ میں چلا کیوں گیا؟"

"میں تم سے خفا تھی کہ تم لوٹ کر واپس کیوں نہیں آئے۔"

digest library.com

"اور اب......؟" وہ اس کے مقابل ہوا۔

اس کی ٹھوڑی کا تل ویسے ہی چمک رہا تھا جیسے چار سال پہلے چمکتا تھا۔

"میں اب تم سے خفا ہوں تم نے دیر کیوں کر دی؟" اب پرزور دیا۔

"میں سمجھا تھا تمہاری شادی......"

"میں ان دو ماہ کی بات کر رہی ہوں۔ ان چار برسوں کا ذکر جانے دو۔ بڑا لمبا حساب کتاب کھلتا ہے تمہاری طرف تفصیل سے کریں گے۔ اس وقت تم یہ بتاؤ۔ چار برس بعد آئے۔ اپنے کالج کی جوائننگ دینے اور منہ اٹھا کر واپس چلے گئے۔ پھر دو ماہ کوئی خیر خبر ہی نہ دی۔"

"اصل میں میری اماں جی، سکتے میں چلی گئی تھیں۔ وہ جن آپا جی پر تکیہ کر کے ساری عمر معاملات چلاتی رہیں ان کو پولیس پکڑ کر لے گئی۔ بس بڑی مشکل سے اماں کو ہم واپس زندگی کی طرف لائے ہیں۔"

"ہوں...... بتایا تھا رانی نے مجھے کافی کچھ۔"

چند پل خاموشی کی نذر ہوئے۔

"تم نے میری کتاب دیکھی؟" اس نے کتاب رخشی کے سامنے کی۔

"دیکھی بھی، خریدی بھی اور پڑھ بھی لی۔"

"محبت گلاب سی" اس نے زیر لب دہرایا۔

"اس کا انتخاب دیکھا تم نے۔"

"ہوں۔" وہ ہنسی۔

"گل کے نام جو گلوں میں اک گلاب ہے۔"

"جانتی ہو۔ یہ گلاب کون ہے۔"

"جانتی ہوں۔" "اور تم جانتے ہو، تم اک بار پھر ناحق دیر کر رہے ہو۔"

"نہیں، اب کی بار دیر نہیں ہو گی۔ اگلے ماہ میری دونوں بہنوں کی شادی ہے۔ میری چچی کے لڑکوں سے۔"

"چچی کے لڑکوں سے۔ چچا کے لڑکوں سے نہیں۔" وہ ہنس دی۔

"چچا تو کبھی کے اللہ کو پیارے ہوئے۔ چچی ہی ہیں۔ اب تو۔"

"اچھا۔"

"تو میں سوچ رہا ہوں کہ اماں اکیلی کیسے رہیں گی۔ ان کے لیے بہو لے جاؤں۔ ذرا دل بہلا رہے گا۔"

"صرف اماں کے دل کی فکر ہے؟"

"نہیں۔ اپنے دل کی بھی فکر ہے۔" وہ شوخ ہوا۔

"بس۔" وہ شرارتی ہوئی۔

"نہیں۔ ایک دل اور بھی ہے۔ اس کی بھی بڑی فکر ہے مجھے۔"

"وہ یقیناً تمہاری بہن کا ہوگا۔"

"نہیں تمہارے ابا کا۔" وہ ہنسا۔

"ہمارے ابا میاں۔" رخشی نے تصحیح ضروری سمجھی۔

"ہاں ہمارے ابا میاں۔" وہ اس کا ہم خیال ہوا۔

☆☆☆

"تو، زندگی سے ہمیں کیا سبق ملا۔"

"ہمیں یہ سبق ملا کہ جو ہمارا مقدر ہے۔ وہ ہم سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ لیکن کوشش ہمیں بساط بھر کرنی ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"ماسٹر جی؟ ہم آپ سے ٹیوشن پڑھنا چاہتے ہیں۔"

اس کے شرارتی شاگردوں کا ایک ٹولہ سامنے آکر کھڑا ہوا۔

"ٹیوشن میں نہیں پڑھا سکتا۔"

"کیوں......؟ ہم منہ مانگی فیس دیں گے۔"

"بات فیس کی نہیں ہے۔" ذوحان قریشی مسکرائے۔

"پھر کیا بات ہے......؟" وہ بضد تھے۔

"ماسٹرنی جی خفا ہو جائیں گی۔"

"او......و......و" کئی آوازیں ایک ساتھ نکلیں۔

بیس سال کا ساتھ۔

محبت، رفاقت، چاہت، سب کچھ تھا اس میں۔

وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے جہاں آج بھی گل ان کی روز اول کی طرح منتظر ہوتی تھیں۔